سلسلہ تالیفات ہاشمی نمبر ۱۵

فلم نما

یعنی

فلم سے متعلق اصلاحی اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ

نصیر الدین ہاشمی

۱۳۵۹ھ
۱۳۴۰ء

ناشر

محمد شمس الدین خان مالک شمس المطابع حسینی پریس نظام شاہی روڈ

حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

عرضِ حال

آج کل فلمی رسالوں کی بڑی کثرت ہے، ادبی اور علمی رسالوں سے
زیادہ ان کی مانگ ہے، اس لئے آئے دن نئے نئے پرچے
شائع ہو رہے ہیں۔ ادبی و علمی پرچوں کے لئے مضامین کا
فراہم ہونا اس قدر دشوار نہیں ہے، جس قدر کہ فلمی پرچوں کے لئے
کیوں کہ فلم کے متعلق جب تک کافی معلومات نہ ہوں اس فن پر کچھ
نہیں لکھا جا سکتا۔

لیکن فلمی رسالوں کے اڈیٹر صاحبان نے ارادہ کر لیا ہے کہ جو
شخص خوش قسمتی یا بد قسمتی سے مضمون نگاروں کے زمرہ میں داخل ہو
تو اس سے ضرور مضمون لکھوایا جائے، خواہ اس کو فلم سے دلچسپی ہو یا
نہ ہو، اور اگر کسی رسالہ کے اڈیٹر صاحب کی دوستی ہو تو پھر ان سے
نجات ملنا محال ہے، اس لئے مجبوراً کچھ نہ کچھ لکھ دیا جاتا ہے تاکہ
کسی طرح نجات مل جائے، اڈیٹر صاحب اپنی مہربانی سے مضمون

کی اصلاح کر کے اپنے رسالہ میں شائع کر لیتے ہیں، اس طرح رسالوں کے لئے مضمون بھی فراہم ہو جاتا ہے اور مفت میں مضمون نگار کی شہرت بھی ہو جاتی ہے۔

راقم الحروف کو بھی اسی زمرہ میں خیال کرنا چاہیئے، ہم نے بھی چند فلمی مضامین لکھے ہیں، میرا پہلا فلمی مضمون "فلم مہابھارت پر ایک نظر" ۱۹۳۳ء میں رسالہ "آئینہ" دہلی میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد ۱۹۳۶ء میں دوسرا مضمون "یورپ اور ہندوستان کی ایکٹرسیں" کے عنوان سے "مصوّر بمبئی" میں شائع ہوا۔ ان دونوں مضمونوں کے بعد ۱۹۳۹ء میں رسالہ مووی لینڈ اور رسالہ فلم میں دس بارہ مضمون شائع ہوئے ہیں۔ یہ سب اب اس مجموعہ میں شامل کر دئے گئے ہیں۔

کسی "فلم" پر تنقید کرنا اگر کسی قدر آسان ہے تو پھر حقیقی اور اصلی تنقید دشوار تر بھی ہے، اس کے لئے فلموں کو متعدد مرتبہ دیکھنا ان کے حسن و خوبی سے واقف ہونا نکات کو سمجھنا خصوصیات پر غور کرنا ضروری ہے اور یہاں ان چیزوں کی کمی ہے۔ ان وجوہ کے باعث سوا چند اصلاحی امور کے اور کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ اس لئے ہم نے بھی اسی کو اپنی جولانی کا میدان قرار دیا۔

میرے چند علمی اور تاریخی مضامین ایک رسالہ سے دوسرے رسالہ میں نقل ہوئے ہیں، لیکن ان فلمی مضامین میں سے اکثر و بیشتر ایسے ہیں جو رسالہ مووی لینڈ اور رسالہ فلم سے ہندوستان کے دوسرے ایک سے زیادہ پرچوں نے ان کو نقل کیا ہے، بعض پرچوں نے اپنے ماخذ کے ساتھ میرا نام لکھدیا ہے، بعضوں نے صرف میرے نام پر اکتفا کیا، اور بعضوں نے میرا نام لکھنے کی بھی زحمت گوارہ نہیں فرمائی[1]۔ یہ امر اگرچہ افسوس ناک ہے، لیکن اس سے یہ واضح ہے کہ ان مضامین کو دلچسپی اور وقعت کی نظر سے دیکھا گیا ہے ۔

اس مجموعہ میں زیادہ تر اصلاحی مضمون ہیں، اور ایک دو تنقیدی، اس میں آپ کو کسی ایکٹرس کی سوانح زندگی کی دلکش اور پُر لطف داستان نہیں ملے گی۔ اور نہ کوئی ایسا دلچسپ اور رنگین مضمون دستیاب ہوگا جو نوجوانوں کے لئے جاذبیت رکھتا ہو ۔

البتہ ایکٹرسوں اور مالکان کمپنی وغیرہ کے لئے چند کارآمد باتیں ملیں گی جو غور سے دیکھنے کے قابل ہیں، ایک دو مضمون پبلک

---

[1] ملاحظہ ہو رسالہ خضر راہ لاہور بابتہ جون ۱۹۳۹ء

کی توجہ کے محتاج ہیں خصوصاً ہمدرداں اردو کے لئے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

آخر پر یہ امر قابل تحریر ہے کہ مضمون نویسی کی جو امنگ پہلی تھی وہ اب رخصت ہوتی جا رہی ہے، اس لئے توقع نہیں ہے کہ آیندہ کوئی قلمی مضمون قلمبند کیا جائے، جو مضمون اب تک شائع ہوئے تھے، ان کا یہ مجموعہ مکرمی محمد شمس الدین خاں صاحب مالک شمس المطابع کے اصرار سے ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ مجموعہ مضامین کسی دلچسپی کا موجب ثابت ہو تو اس کو خاں صاحب کی مہربانی کا نتیجہ سمجھا جائے جنہوں نے براہ کرم اس کو شائع کرنے کا انتظام فرمایا ہے فقط

نصیر الدین ہاشمی
خیریت آباد
حیدرآباد دکن

یکم رجب ۱۳۵۹ھ

یورپ اور ہندوستان کی ایکٹرسیں

موسیقی، مصوری اور ڈرامہ قدیم ہندوستان کی میراث ہے۔
کالی داس کے مشہور ڈرامہ شکنتلا کا نام آج بھی زندہ ہے۔ اگرچہ
اسلامی عہد میں ڈرامہ کو کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی مگر یہ کہا
جا سکتا ہے، کہ تجدید میں مسلمانوں نے بڑا حصّہ لیا ہے!
"امانت کے "اندر سبھا" نے زندگی جاوید حاصل کر لی ہے۔
اس کے بعد ایک وہ دور بھی گزرا ہے! جبکہ ڈراما پر نا اہل افراد
کا قبضہ ہو گیا! اور شرفاء اداکاری سے بھاگتے تھے! ڈرامہ
میں اداکاری ایک ایسے فرقے اور طبقے سے خاص ہو گئی،
جو فن سے ناواقف اور ٹکے سیدھے کرنا جانتا تھا!
درحقیقت یہ بڑی بدقسمتی تھی کہ ڈرامہ جیسے فن میں عملی حصہ
لینا اور اسٹیج پر اداکاری کرنا معیوب خیال کیا جاتا تھا۔ یورپ کے
اثرات کے باعث اب پھر ہوا پلٹی، اور کسی ڈرامہ میں اداکاری
کرنا معیوب نہ رہا، پہلے شریف مردوں نے حصّہ لیا، اور اس

کے بعد عورتوں میں بھی یہ طریقہ مقبول ہونے لگا !

یورپ کے مدارس میں جس طرح طلباء اور طالبات اداکاری میں حصہ لینا ضروری خیال کرتے ہیں ! اسی طرح یہاں بھی اب رواج ہو چلا ہے۔ ہندوستان کے اکثر و بیشتر مدارس اور کالجوں میں ڈرامے ہوتے ہیں اور جن میں طلبا بڑی دلچسپی سے حصہ لیتے ہیں! جس طرح لڑکوں کے مدارس میں ڈرامے ہوتے ہیں۔ اسی طرح لڑکیوں کے مدارس میں بھی مختلف ڈرامے ہوتے اور طالبات نہایت دلچسپی سے، اس میں حصہ لیتی اور عمدگی سے اداکاری کرتی ہیں !

مگر یہ اداکاری عام نہیں ہوتی، سینما کے باعث اب جس طرح اداکار (ایکٹر) اور اداکارہ (ایکٹرس) کی مانگ ہے۔ اس کے لحاظ سے چاہیئے تو یہ تھا، کہ عام طور سے اِس کی تعلیم کا انتظام ہوتا اور مدارس قائم ہو کر عام طور پر اداکاری کی تعلیم دیجاتی، تاکہ ملک کی ضروریات پوری ہوسکیں،

اگرچہ اب ہندوستان میں اداکار بننا معیوب نہیں ہے، اور بیسیوں تعلیم یافتہ اور شرفائ نے اِس پیشہ کو اختیار کرلیا ہے! مگر اب بھی عام طور سے عورتیں اس کی جانب مائل نہیں ہیں!،

جس کے باعث ایک خاص طبقہ اس پر قابض ہے ۔ اگرچہ اب
دو چار شریف اور خاندانی خواتین نے اس میں حصّہ لینا شروع کر
دیا ہے ! مگر سینما کی کثرت کے مدنظر اُن کی حالت آٹے میں
نمک کی بھی نہیں ہے !

اس وقت ہمیں یہ بتانا ہے کہ یورپ اور ہندوستان کی
ایکٹرسوں میں کیا فرق ہے ۔ اور وہ کونسی خصوصیات ہیں، جن کے
باعث وہاں ایکٹرس بننا معراج کمال ہے اور یہاں معراج زوال ،

(۱) سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ وہاں تعلیم عام ہونے اور جبری ہونیکے باعث
خواتین تعلیمیافتہ ہوتی ہیں، تعلیم کے فوائد، تعلیم کے منافع جس قدر ہیں، وہ عام طور سے
اہل یورپ کو معلوم ہیں، اس کی وجہ سے بیسیوں فوائد حاصل ہوتے ہیں ۔

تعلیم سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ عام طور سے ملک اور ملک کے باہر
کن چیزوں کی مانگ ہے ۔ دنیا کس رنگ پر چل رہی ہے ۔ وہ کون پیشے
اور وہ کونسی صنعت ہے ۔ جس کے ذریعہ سے روپیہ پیدا کیا جاسکتا ہے !
اور فارغ البالی حاصل ہوسکتی ہے !

تعلیم یافتہ ہونے ہی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ "فلم" کی کامیابی
کے راز کیا ہیں ! ایک بہترین اداکار اور عمدہ اداکارہ (ایکٹرس) کے
لئے کن کن امور کی آگاہی لازمی ہے ۔ اور وہ کیا گُر ہیں جن کو جاننا

کرنے سے شہرت اور نام آوری ہو سکتی ہے!

تعلیم یافتہ ہونے کے باعث ان کو کسی کھیل اور اس کی مشق کیلئے بڑی مدد ملتی ہے خصوصاً ایکٹرسوں کو ڈائرکٹر اور آموزگار وغیرہ کے بس میں ہونے اور ان کی ہمدردی حاصل کرنے کی ضرورت تک نہیں ہوتی۔

تعلیم یافتہ ہونے کے باعث ان کے معلومات وسیع ہوتے اور تجربہ زیادہ ہوتا ہے ان امور کے لحاظ سے تنخواہ کا اضافہ لازمی ہے!

تعلیم یافتہ ہونے کے باعث پبلک پر زیادہ اثر ہوتا ہے۔ عام و خاص میں عزت ہو سکتی ہے۔ یورپ کی اکثر و بیشتر ایکٹرسیں رسالوں میں مضامین لکھتی ہیں۔ جس کے باعث ان کی شہرت اور عزت ہوتی ہے نہ صرف اُن کی اداکاری، بلکہ قابلیت، لیاقت اور معلومات کا شہرہ ہو جاتا ہے!

اس کے برخلاف ہندوستانی اداکارہ میں تعلیم کا کال ہے۔ ان کے معلومات اور خیالات میں وسعت اور جولانی نہیں ہوتی۔ گو یہ صحیح ہے کہ اکثر ہندوستانی ایکٹرسیں بھی تعلیم یافتہ ہوتی ہیں! مگر اول تو تعلیم یافتہ کم ہیں! اور جو شد بود سے واقف ہیں، اُن کو تعلیم یافتہ نہیں کہا جا سکتا!

صحیح معنوں میں جن کو تعلیم یافتہ کہا جاتا ہے۔ ایسی دو چار ہی ایکٹرسیں مل سکتی ہیں! اور پھر میرے خیال میں کوئی ایکٹرس بھی ایسی نہیں ہے، جو اپنے معلومات اپنے خیالات اور اپنے حالات کا انکشاف اپنے قلم اور

اپنے مضمون سے کر سکے۔

تعلیمی فقدان کے باعث ایکٹرسوں کی مشکلات اور ان کی دقتوں سے کوئی واقف نہیں ہو سکتا، جس کے باعث مالک کمپنی جس قسم کی خدمات چاہتے ہیں، وہ ایکٹرسوں سے لیتے ہیں! اگر ایکٹرس تعلیم یافتہ ہوگی، تو پھر کمپنی والوں کو بیجا خواہش اور زیادتی کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

تعلیمی کمی کے باعث ایک نقصان یہ بھی ہو رہا ہے، کہ فلم کے متعلق عام طور سے جو بازاری رسالے شائع ہو رہے ہیں ا ان میں سے کسی کی سرپرستی کی جاتی ہے۔ اور اس ذریعہ سے وہ شہرت کی خواہشمند ہوتی ہیں حالانکہ کسی رسالہ میں تصویر کا شائع ہو جانا۔ اور کسی مضمون نگار یا اڈیٹر کا کوئی تعریفی مضمون شائع کر دینا حقیقی شہرت کا ذریعہ نہیں ہے۔ اصلی اور حقیقی شہرت تو کمالِ فن سے ہو سکتی ہے! اگر کسی ایکٹرس کو شہرت اور نام آدمی کی تمنا ہے تو اس کو اپنے فن میں کمال حاصل کرنا چاہیئے! نہ کہ اپنی تصویر یا تعریفی مضمون کو اس کا ذریعہ بنایا جائے!

(۲) یہ ایک عام قاعدہ ہے، کہ جب کسی شئے کی مانگ ہوتی ہے تو ضروریات کی تکمیل کے لئے ہر شئے فراہم ہو جاتی ہے، ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔

یورپ میں سینما کی ضروریات کے مد نظر ایسے مدرسے قائم ہو گئے ہیں، جہاں ایکٹر اور ایکٹرسوں کو ضروری تعلیم دی جاتی ہے! اور فنی معلومات

سکھائے جاتے ہیں! اِس طرح جب کسی فلم کمپنی کو ضرورت ہوتی ہے۔ تو اُن کو ایسے تعلیم یافتہ اور واقفِ فن بیسیوں امیدوار مِل جاتے ہیں! جن میں سے انتخاب کر لئے جاتے ہیں! اِس طرح بانیان مدرسہ اور فلم کمپنی دونوں کو سہولت اور منفعت ہوتی ہے۔ فلمساز کمپنیوں کو اِس امر کی ضرورت نہیں ہوتی، کہ وہ فلم اور اُس کی ضروریات اور ابتدائی اُمور کو ایکٹرسوں کے ذہن نشین کرائیں!

اس کے برخلاف ہندوستان میں کوئی ایسی تعلیم گاہ نہیں ہے۔ جو اداکاری کی تعلیم دیتی ہو۔ اِس لئے جب کسی کمپنی کو ایکٹرس کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو بڑی دشواری اور دقت پیش آتی ہے۔ اچھی یا بُری جو بھی مِل جائیں، اُن کو ملازم رکھنا ہوتا ہے! اور ان کو کچھ ابتدائی اُمور بتا کر فلمسازی شروع کر دیجاتی ہے! اِس طرح فلم تیار ہو کر بازار میں آجاتا ہے، اب اس فلم میں خوبیوں اور کمالِ فن کو ڈھونڈا جائے تو کِس طرح کامیابی ہوسکتی ہے؟ اِسی وجہ سے عام طور پر ہندوستانی کھیل فیصدی پچاس بھی مقبول نہیں ہوتے اور جو مقبول ہوتے ہیں، وہ تعلیم یافتہ طبقہ سے خراجِ تحسین حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک فن سے پُوری آگاہی نہ ہولے اس وقت تک فلمسازی میں کام لینا اور ہیرو یا ہیروئن کا پارٹ دے دینا کسی طرح صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ یہ فلم کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اِس طرح یورپ اور امریکہ کی معمولی ایکٹرسیں بھی ہندوستانی کی ایکٹرسوں سے بازی لے جاتی ہیں!

(۳) یورپ اور ہندوستان کی ایکٹرسوں کا مقابلہ معاشرت اور تمدن
کے لحاظ سے بھی کیا جا سکتا ہے، یورپ کی معاشرت کے لحاظ سے جو امور
عام طور سے جائز اور تہذیب و شائستگی میں داخل ہیں، وہ ہماری معاشرت
کے لحاظ سے جائز نہیں قرار دیئے جا سکتے ہیں یہ کھیل کی اصلیت میں اس
کی وجہ سے فرق آجاتا ہے۔ مثلاً کوئی عشقیہ فلم ہو۔ اور راز و نیاز کا سماں ہو۔
اس میں بوس و کنار کا نہ ہونا اصلیت کے خلاف ہوگا! اور ہندوستانی
تہذیب اس کو جائز نہیں رکھتی! جس کے باعث کھیل کا لطف کم ہو جاتا
ہے۔ گویہ صحیح ہے۔ کہ یورپ کی معاشرت کے لحاظ سے اپنے دوست یا
محبوب کو بوسہ دینا اور گود میں بیٹھنا یا بغل گیر ہونا معیوب نہیں ہے! اور
ہندوستانی معاشرت اس کو ناجائز قرار دیتی ہے۔ لیکن کھیل میں جب ایسا
ناگزیر موقع آجائے، تو ان کو ظاہر نہ کرنا صحیح نہ ہوگا اور شرم اور حجاب کا پیش
آنا درست نہیں ہو سکتا!

ہم اس موقعہ پر ایک ہندوستانی کھیل "زرینہ" کو پیش کر سکتے ہیں
جس میں زبیدہ نے کامیاب اداکاری کی ہے مگر اکثر جگہ اس کو ناپسند اور
مردود قرار دیا گیا ہے!

اب اگر کوئی ہندوستانی فلم ایسا ہو، جس میں شرم و حجاب جائز نہ ہو!
اور معاشرت کے لحاظ سے اس میں شرم و حجاب کو دخل دیا جائے، تو پھر

وہ کھیل کس طرح کامیاب ہو سکتا ہے ؟

(۴) یورپ میں کسی ایکٹرس کے لئے موسیقی دانی کی قید نہیں ہوتی اس کے لئے یہ لازم نہیں ہے، کہ وہ موسیقی سے بھی واقف ہو اس کے برخلاف ہندوستانی فلمسازی کے لئے ایکٹرس کا موسیقی سے واقف ہونا لازمی ہے اس لئے اچھی ایکٹرس کا ملنا اور بھی مشکل ہے جو موسیقی سے بھی واقف ہو! اور لا محالہ صرف ایک مخصوص طبقہ اس کے لئے دستیاب ہوتا ہے جن کا پیشہ ہی موسیقی ہے!

اگر موسیقی ایکٹرسوں کی جزو معلومات سے علیحدہ کر دیا جائے، تو ممکن ہے ان کی دستیابی میں اتنی دقت نہ ہو!

(۵) یورپ میں ایک زبان سے زیادہ زبانوں کا جاننا ایک معمولی بات ہے! ہر تعلیم یافتہ فرد کی خواہش ہوتی ہے۔ کہ وہ دنیا کی دیگر زبانوں سے آگاہی حاصل کرے! اس طرح یورپ کے تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک زبان سے زیادہ کی مہارت گویا عام بات ہوگئی ہے!

اس کے برخلاف ہندوستان میں ایک زبان کے ساتھ دوسری زبان میں مہارت اور عبور حاصل کرنا آسان نہیں ہے! عام طور سے مردوں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی ایسے اشخاص کم ملیں گے جو ایک زبان کے ساتھ دوسری زبان میں اچھی طرح مہارت رکھتے ہوں جب مردوں میں اس کی

دشواری ہے، تو پھر عورتوں سے اس کی توقع رکھنا کس قدر دشوار ہے!

اب ہندوستانی فلم صرف اُردو نہیں ہوتے ہندی بھی ہوتے ہیں! اور ہر کمپنی اِن دو فلموں کو بناتی ہے اور اپنے اداکاروں سے وہ ہندی اور اُردو دونوں میں کام لیتے ہیں! لامحالہ ہر ایکٹر اور ایکٹریس کو اُردو کے ساتھ ساتھ ہندی میں مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے! اور زبان کی دشواری کے باعث فلم کی کامیابی پر اثر ہوتا ہے! ایک اچھا فلم زبان کی وجہ سے خاک میں مِل جاتا ہے!

(۶) میں نے قبل ازیں ذکر کیا ہے، کہ یورپ میں جب کسی کمپنی کو اداکاروں کی ضرورت ہوتی ہے، تو صدہا درخواستیں آتی ہیں! جن میں سے وہ انتخاب کر لیتے ہیں!

انتخاب کے دوسرے امور کے ساتھ صورت شکل کو نہیں دیکھا جاتا! بلکہ جسم کی موزونیت اور گدازی کے لحاظ سے انتخاب عمل میں آتا ہے!

ہندوستان میں اس امر کا لحاظ نہیں رکھا جاتا بلکہ جو صورت شکل کی دستیاب ہو اُسے ملازم رکھا جاتا ہے اور اگر لحاظ رکھا جاتا ہے! تو صرف صورت و شکل کا تاکہ خوبصورت ایکٹرس نظر آئے!

اِسی وجہ سے ہندوستانی ایکٹرسوں میں جسم کی موزونی اور گدازی بہت کم نظر آتی ہے۔ اب اگر قسمت سے کوئی ایکٹرس گداز جسم اور موزوں خدوخال

کی مل جائے تو قسمت کی بات ہے۔ لیکن عام طور سے ہندوستانی ایکٹرس
یں اس کی کمی نظر آتی ہے۔

یہ چند عام امور ہیں جن کے باعث یورپ کی ایکٹرسیں ممتاز ہوتی
ہیں! اور جب تک ہندوستان ایکٹرسوں میں بھی ان امور کو پیش نظر نہ
رکھا جائے کبھی کامیابی نہیں ہو سکے گی !!

(مصور بمبئی) جولائی سنہ ۱۹۳۶ء

ہندوستانی ایکٹرسوں میں علم کا فقدان

اب ہندوستان میں سینما کا جس قدر شوق ہو چکا ہے، وہ ایک حقیقت
نفس الامر ہے، بڑے بڑے شہروں میں ہندوستانی فلم ہفتوں چلتے ہیں،
اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سینما بینی کا ذوق روز بروز ترقی پر ہے،

یہاں ہم کو اس امر سے بحث نہیں ہے کہ سینما کا یہ شوق ملک اور اہل
ملک کے لئے مفید ہے یا مضر؟ ہم یہاں صرف ایک پہلو سے بحث کریں گے

آج سے دو ایک سال پہلے اکثر ہندوستانی فلم ہر طرح قابل اعتراض
ہوتے تھے، اداکاروں کی غلط اداکاری، بے موقع گانوں کی کثرت نامناسب
سینری وغیرہ، قصہ کا مہمل پلاٹ، اداکاروں کا دقیانوسی لباس وغیرہ

غرض ہر ایک لحاظ سے ہندوستانی فلم ناقص اور قابل اعتراض ہوا کرتے تھے، مگر رفتہ رفتہ اب بہت کچھ اصلاح ہو چکی ہے، اور توقع ہے کہ جو خامیاں ہیں ان کی بھی آیندہ اصلاح ہو جائے گی۔

جو امور قابل اصلاح ہیں ان میں سے ایک اداکاروں کی علمی لیاقت ہے، یورپ اور امریکہ میں جس قدر اداکار ہوتے ہیں چاہیئے وہ عورت ہوں یا مرد سب کے سب تعلیم یافتہ ہوتے ہیں مگر ہندوستانی اداکاروں میں ایسا نہیں ہوتا دو چار کے سوا باقی سب تعلیم سے عاری ہیں، خصوصیت سے ایکٹرسوں میں علم کی بڑی کمی ہے۔

بدقسمتی سے ہندوستانی ایکٹرسون میں شرفاء کا حصہ بہت کم ہے، زیادہ تر پیشہ ور طبقہ کی عورتیں یہ کام انجام دیتی ہیں، ان کو تعلیم سے سروکار نہیں ہوتا اور اپنی ضروریات کے لئے شدبد سے واقف ہوتی ہیں تاکہ موسیقی کے لئے غزلوں وغیرہ کی کتابیں پڑھ لیں ظاہر ہے کہ یہ واقفیت حقیقی اداکاری کے لئے ممد نہیں ہو سکتی، اداکار عورتوں کے تعلیم یافتہ نہ ہونے سے جو نقصانات ہیں اس کی مختصر صراحت کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے علمی فقدان کے باعث ادا آموز کو اس امر کی بڑی زحمت ہوتی ہے کہ کھیل اور اس کے ضروریات اور متعلقہ اداکاری کے متعلق پوری تفصیل ذہن نشین کرائی جائے، اور کئی بار آزمائش کرے، کیونکہ اگر معمولی تفہیم کے بعد جب اصل کھیل ہوتا ہے اور قلمبندی کیجاتی ہے تو ناکافی ہوتی ہے اور اس قسم کے ایکٹرسوں کا فلم کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

ظاہر ہے کہ ایکٹرس اگر کافی قابلیت رکھتی ہوگی تو پھر اس کو زیادہ تفہیم وغیرہ کی ضرورت مطلق نہیں ہوگی، اپنی اداکاری اور اپنے متعلقہ فرائض کو تعلیمیافتہ ایکٹرس آسانی سے سمجھ سکتی اور کامیابی سے اس کو انجام دے سکتی ہے،

تعلیم یافتہ ایکٹرس ہونے سے خوشی وغم وغیرہ کے موقعوں پر اصلی جذبات ظاہر کرنے کی زیادہ توقع کی جاسکتی ہے، کیونکہ وہ اس امر سے بخوبی واقف ہوتی ہے کہ اصل کی نقل کس طرح کی جائے۔

جب کوئی ایکٹرس تعلیم یافتہ ہوگی تو اس کو یہ معلوم ہوگا کہ فلم کی کامیابی اور خود اس کی حقیقی شہرت اور نام آوری کا راز کیا ہے، عمدہ اداکاری کے لئے کن کن امور کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ کیا گر ہیں جن پر عمل کرنے سے دوامی شہرت حاصل ہوسکتی ہے۔ آج کل اکثر ایکٹرسیں اپنی شہرت اور نام آوری اس کو سمجھتی ہیں کہ کسی فلمی رسالہ میں تصویر شائع ہو جائے، اور ایڈیٹر تعریفی نوٹ یا مضمون لکھ دے۔ یورپ اور امریکہ کی ایکٹرسیں جب مشہور ہو جاتی ہیں تو پھر ان کی شہرت دوامی ہوتی ہے، اور روز بروز وہ اپنی عمدہ اداکاری کے باعث زیادہ مشہور ہوتی جاتی ہیں، اس کے برخلاف ہندوستانی ایکٹرس کی شہرت اور نام آوری دوامی نہیں ہوتی اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ یہاں کی ایکٹرسیں علم سے بالکل عاری ہوتی ہیں۔

علمی قابلیت کے فقدان کے باعث ایکٹرسوں کی خانگی مشکلات اور دقتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ادا آموز مالک کمپنی، عکاس وغیرہ کے خواہشوں کی تعمیل میں ناجائز خواہشات کی تسکین کرنی پڑتی ہے تعلیمیافتہ

ہونے کی صورت میں اس قسم کی دشواریوں کا سدباب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تعلیم یافتہ ایکٹرس سے بیجا خواہشوں کا اظہار کرنا دشوار امر ہے۔"

ایکٹرس کے تعلیم یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو معاوضہ بھی زیادہ نہیں مِل سکتا۔

موجودہ زمانہ میں مالکان کمپنی بھی مجبور ہیں، ان کو جو بھی حسین ایکٹرس دستیاب ہو اس کو وہ اپنی اجرائی کار کے لئے ملازم رکھ لیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ایکٹرس تعلیم یافتہ ہے یا نہیں۔

تعلیم یافتہ اور عمدہ ایکٹرس کے دستیاب ہونے میں اس وقت جو دشواری پیش ہے۔ وہ اس وقت تک زائل نہیں ہو سکتی جب تک کہ بڑے بڑے شہروں مثلاً بمبئی، کلکتہ، لاہور، وغیرہ میں اداکاری کی تعلیم کے لئے مدارس قائم نہ ہو جائیں۔ ضرورت ہے کہ صاحبان ثروت اس قسم کے مدارس قائم کریں اور اس میں ان طلبہ اور طلبات کو شریک کیا جائے جنہوں نے ہائی اسکول یا کالج کی تعلیم ختم کر لی ہو، اُن کو اداکاری کی باضابطہ تعلیم دی جائے۔

یورپ اور امریکہ میں ایسے بیسیوں مدارس ہیں جہاں اداکاری اور رقص وغیرہ کی تعلیم مقررہ اوقات میں دی جاتی ہے، اس کے باعث جب کبھی کسی کمپنی کو ایکٹر یا ایکٹرس کی ضرورت ہوتی ہے تو بیسیوں درخواستیں آجاتی ہیں، اور اُن میں سے ادا آموز اداکاروں کا انتخاب کر لیتا ہے اس کے برعکس ہندوستان میں کوئی ایسی درس گاہ نہیں ہے۔

جہاں اداکاری کی تعلیم دی جاتی ہو۔ اس لئے جب کسی کمپنی کو ایکٹرس کی ضرورت ہوتی ہے تو بڑی دشواری اور وقت پیش آتی ہے، اچھی یا بری جو بھی مل جائے چاہے وہ کسی طبقہ اور کسی پیشہ سے متعلق ہو اس کو ملازم رکھ لیا جاتا ہے، اور کچھ ابتدائی اُمور بتا کر معمولی تفہیم کے بعد فلم کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرح فلم تیار ہو کر پردہ پر آجاتا ہے۔ اب ایسے فلم میں خوبیاں اور کمال فن ڈھونڈا جائے تو کس طرح کامیابی ہو سکتی ہے۔

(موومی لینڈ ماہ ستمبر ۱۹۳۶ء)

ہندوستانی ایکٹرسوں کی مشکلات

عام طور سے سینما بینی کا جو شوق پیدا ہو گیا ہے، اس کے باعث اب ہندوستانی فلم بھی کثرت سے تیار ہونے لگے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض فلم خصوصیت سے قابل ستائش ہیں، لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی صحیح ہے کہ یورپ اور امریکہ کے فلموں کا مقابلہ کرنے کیلئے ہندوستانی فلموں کو ابھی بہت کچھ مراحل طے کرنے ہیں،

آج کل کے فلموں کا چند سال پہلے کے فلموں سے مقابلہ کیا جائے تو اس امر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی فلم بھی اب ہر لحاظ سے ترقی پذیر ہیں، سینما دیکھنے کے بعد اس کی ترقی و اصلاح کے متعلق کئی امور ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، اس مختصر مضمون میں اس قسم کے بعض

اُمور کو قلمبند کرنا مقصود ہے،

ہر فلم کے لئے مردوں کے ساتھ عورتوں کی شرکت بھی ضروری ہے بغیر عورتوں کی شرکت کے کوئی فلم تیار نہیں ہوتا۔ مگر ہر کمپنی میں مرد اداکاروں کے مقابل عورتوں کی تعداد نہایت محدود ہوتی ہے اور پھر اکثر و بیشتر وہ شرفا کی جماعت سے تعلق نہیں رکھتیں۔ اس کے مختلف وجوہ بیان کئے جا سکتے ہیں۔ جن کی تفصیل فی الوقت غیر ضروری ہے یہاں ہم ایکٹرسوں کی بعض مشکلات اور دشواریوں کی صراحت کرتے ہیں۔

یورپ اور امریکہ کی ہر فلم کمپنی میں مرد اداکاروں کے ساتھ عورتوں کی تعداد بھی بہت کافی ہوتی ہے اور جب کوئی نیا فلم تیار ہوتا ہے تو ہیروئن وغیرہ کے انتخاب میں آسانی ہوتی ہے ہر کھیل میں اداکار عورتیں تبدیل ہوکر آتی ہیں اس سے دو فائدے ہوتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ عوام ایک ہی شخصیت کی اداکاری سے اکتاتے نہیں اور دوسرے یہ کہ جذبات کا اظہار نہایت موزوں و مناسب طریقہ پر کیا جا سکتا ہے۔ ہر عورت مختلف نوعیتوں کے جذبات ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہوسکتی کوئی عورت خوشی اور مسرت کا اظہار اچھی طرح کر سکتی ہے، اور کوئی عورت رنج و الم کے کردار کو خوبی کے ساتھ ادا کرتی ہے کوئی بہادری اور دلاوری کے جوہر دکھا سکتی ہے، تو کوئی خانہ داری اور شرفا کے کردار کی نقل کر سکتی ہے۔

ہندوستانی کمپنیوں میں عورتوں کی تعداد زیادہ نہ ہونے کے باعث سب سے بڑی دشواری یہ لاحق ہوتی ہے کہ ہر قسم کے جذبات اور کردار ایک ہی

عورت کو ادا کرنے پڑتے ہیں جو نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہے۔

ہندوستانی کمپنیوں میں سوا نیو تھیٹر کلکتہ کے کوئی ایسی کمپنی نہیں ہے۔ جہاں ایک سے زیادہ عورتیں "ہیروئن" کا پارٹ انجام دینے کے لئے موجود ہوں بمبئی ٹاکیز میں دیویکا رانی، پربھات کمپنی میں شانتا آپٹے، ساگرموی ٹون میں بیبو، وسیتا مختص ہیں، اب اگر ان کمپنیوں کے کھیلوں میں مختلف کردار اور مختلف جذبات کے اظہار کی ضرورت ہو تو دیویکا رانی، شانتا آپٹے اور ببو کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے شانتا آپٹے غم والم کے کردار اور جذبات کو ظاہر کرنے کی پوری طرح صلاحیت رکھتی ہے، اگر اس کو خوشی اور مسرت کا پارٹ دیا جائے تو یقیناً اس کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اسی طرح ببو کے لئے رنج والم کے کردار کو ادا کرنا دشوار امر ہے۔

بہرحال ہندوستانی ایکٹرسوں کو سب سے بڑی دشواری یہ لاحق ہوتی ہے کہ ان کو مختلف کردار اور جذبات ظاہر کرنے پر قادر ہونا پڑتا ہے جو ایک عورت کے بس کی بات نہیں ہے۔

دوسری مشکل ہندوستانی ایکٹرس کے لئے یہ ہے کہ اس کو گانے میں خاصا ملکہ حاصل ہونا چاہیئے۔ مغربی ممالک کے ایکٹرسوں کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ گانے میں مہارت رکھتی ہوں۔ مگر کوئی ہندوستانی فلم ایسا نہیں ہوتا۔ جس میں ہیروئن کو گانے سے نجات ملے کسی نہ کسی موقع پر اس کے لئے گانا ضروری ہے، اور اس میں پوری مہارت حاصل نہ ہو تو کھیل کی کامیابی پر حرف آجاتا ہے۔

تیسری دشواری یہ ہے کہ ہر ایک ایکٹرس کو اُردو کے ساتھ ہندی کی بھی مہارت حاصل ہونا ضروری ہے۔ یورپ کے لئے یہ ایک معمولی بات ہے۔ وہاں ایک سے زیادہ زبانوں میں مہارت حاصل کرنا چنداں دشوار نہیں مگر ہندوستان میں یہ دشوار ہے۔ اب ہر ایکٹرس کا فرض ہے کہ اس کو دونوں زبانوں پر پوری طرح عبور ہے ورنہ زبان کے لحاظ سے حرف گیری ہوتی ہے۔

چوتھی دشواری ہندوستانی ایکٹرس کے لئے یہ بھی ہے کہ وہ صورت شکل کے لحاظ سے اچھی ہو ورنہ عام طور سے مقبول نہیں ہوسکتی۔ یورپ میں ایکٹرسوں کے انتخاب میں کبھی صورت شکل کا لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ جسم کی گدازی، اور جذبات نگاری کو کافی خیال کیا جاتا ہے، مگر اس کے برخلاف ہندوستان میں زیادہ تر خوبصورتی کو ترجیح دیجاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایکٹرسوں کی فراہمی میں دشواری ہوتی ہے۔

پانچویں مشکل یہ ہے کہ مغربی تہذیب میں بوسہ وکنار وغیرہ کوئی معیوب امر نہیں ہے، عام طور سے سربازار بھی اس کا مظاہرہ کیا جائے تو معیوب خیال نہیں کیا جاتا۔ مگر ہندوستان میں یہ معیوب ہے، اب اگر کسی فلم میں عشق ومحبت کا اظہار ضروری ہے اور اس میں اگر حقیقی جذبات کا اظہار کیا جائے تو ہندوستانی تہذیب اس کو گوارا نہیں کرتی اور اگر اس سے احتراز کیا جائے تو فلم ناکامیاب ہوتا ہے۔ اب یہ کمپنیوں کا فرض ہے کہ ان مشکلات کو دور کریں اور ہندوستانی فلموں کو زندگی کے اصلی حقایق سے قریب تر لائیں اور ان سارے نقائص کو دُور کرنے کی حتی الامکان کوشش کریں جو ہندوستانی

فلموں کی ناکامیابی کا باعث ہیں۔

(مووی لینڈ ماہ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

ہندوستانی ایکٹرسوں کو جلد زوال کیوں ہوتا ہے

(۴)

۱۹۱۴ء سے ہندوستان میں فلم سازی شروع ہوئی اس طرح ۱۹۳۹ء میں پورے پچیس سال کا عرصہ ہوتا ہے اس قلیل عرصہ میں بیسیوں فلم کمپنیاں عالم وجود میں آئیں اور بے شمار اداکاروں نے ان میں حصہ لیا شہرت حاصل کی اور آخر گوشہ گمنامی میں چلے گئے۔

آج سے تقریباً دو سال قبل دو کتابیں "فلم و ڈراما" مرتبہ ادیس احمد صاحب ادیب اور "فلمی پریاں" مرتبہ گوہر صاحب رامنگری شائع ہوچکی ہیں جس میں بیسیوں ایکٹرسوں کے حالات درج ہیں اگر ان کے ناموں کی طویل فہرست پر سرسری نظر ڈالی جائے تو واضح ہوگا کہ ان میں سے آج کل صرف چند ہی خوش بخت ایکٹریسیں ایسی ہیں جن کی شہرت و مقبولیت اسی طرح برقرار ہے دوسری بیسیوں ایکٹرسوں کی شہرت و مقبولیت کا آفتاب زوال پذیر ہوچکا ہے اور اکثر گوشہ گمنامی میں چلی گئی ہیں۔

ایکٹرسوں کے اسباب زوال پر بحث کرنے سے قبل یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ اسٹیج اور پردہ سیمیں پر خصوصاً ایکٹرسوں کے لئے حسن و شباب نہایت ہی ضروری ہے۔ اس کے بغیر کسی ایکٹرس میں اداکاری کی خواہ کتنی

ہی اعلیٰ اصلاحیتیں کیوں نہ ہوں۔ شہرت ومقبولیت حاصل کرنا اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے اس میں شک نہیں کہ بعض ایکٹرسوں نے باوجود شباب رفتہ اور بدصورت ہونے کے اداکاری کی غیر معمولی صلاحیتوں کے باعث نام اور کمال پیدا کیا لیکن اس قسم کے واقعات مستثنیات سے ہیں۔ یورپ وامریکہ کی ایکٹریسیں اپنے حسن وشباب کی نگہداشت میں نہ صرف روپیہ پانی کی طرح بہاتی ہیں بلکہ اس کی خاطر ہر طرح کی ریاضت و قربانی بھی کرتی ہیں ۔

عورت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حسن و لطافت کا گہوارہ ہے اگر فطرت انسانی کا غائر مطالعہ کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک انسان جس قدر ادوارِ حیات سے ہو کر گزرا عورت کے حسن وشباب کا سحر اپنا کام کرتا رہا۔ اس وقت بھی جبکہ انسان بالکل ابتدائی منازل طے کر رہا تھا اور اس وقت بھی جبکہ وہ ترقی و ارتقار کی دوڑ میں نور کی رفتار سے بڑھا چلا جا رہا ہے۔ آپ دنیا کی کسی زبان کو لے لیجئے اس کے ادبیات کا موضوع غالب عورت کا حسن وشباب ہی ہوگا۔ اور صرف ادبیات ہی پر کیا موقوف ہے جملہ فنون لطیفہ کا محور اصلی عورت کا حسن وشباب ہے

دنیا کی قدیم ترین تہذیب وتمدن میں بابل کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے اور اس عہد قدیم کی داستان پارینہ جو آج بھی ہر کس و ناکس کی زبان پر ہے وہ ایک عورت (زہرہ) کے حسن وشباب کی کرشمہ سازیوں سے متعلق ہے تاریخ شاہد کہ ارتقاء کے دور اوّل میں یونانیوں نے فن سنگتراشی اور شاعری میں انتہائی کمال پیدا کیا تھا۔ آج ان کے تراشیدہ مجسموں میں

بہترین "کیوپڈ اور سائیکی" ہے جو زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ اس زمانہ میں بھی عورت کے حسن وشباب میں اس قدر جاذبیت اور کشش تھی کہ آسمانی دیوتا، اس کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور رہتے تھے۔ یونان کا باکمال شاعر ہومر مانا جاتا ہے لیکن اس کی شعری تخلیق بھی عورت ہی کے حسن وشباب کی رہین منت ہے اسی طرح دنیا کے ہر حصہ میں دور قدیم و دور جدید کے شاعروں مصوروں سنگ تراشوں اور مغنیوں کی تخیل عورت کے حسن وشباب ہی سے متاثر نظر آتی ہے۔ فنون لطیفہ میں صنف نازک کے حسن وشباب کی اہمیت معلوم کرنے کے بعد یہ امر غور طلب ہے کہ ہندوستانی ایکٹرسوں کی شہرت کو جلد زوال کیوں ہوتا ہے؟ اور مغربی ایکٹرسوں کی طرح اُن کی شہرت مقبولیت دیر پا کیوں نہیں ہوتی ہمارے خیال میں اس کے حسب ذیل وجوہ ہو سکتے ہیں۔

(۱) چونکہ ہندوستان کی گرم آب وہوا کے باعث یہاں عورت کم سنی ہی میں بالغ ہو جاتی ہے اور پھر اسی طرح اس کی جوانی بھی جلد ختم ہو جاتی ہے اس لئے وہ تھوڑے سے ہی عرصہ میں اپنے حسن وشباب کو کھو کر فلمی دنیا سے کنارہ کش ہونے پر مجبور ہوتی ہے۔

(۲) دوسری وجہ ایکٹرسوں کی خرابی صحت ہے۔ ہندوستانی نگارخانوں میں ایکٹرسوں کی تعداد بالکل ناکافی ہوتی ہے جس کے باعث ایک ہی ایکٹرس کو کمپنی کے متعدد فلموں میں شب و روز کام کرنا پڑتا ہے اسطرح مسلسل محنت کی وجہ صحت متاثر ہوتی ہے۔

(۳) ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بُری صحبت میں شراب نوشی کی عادت ہو جاتی ہیں جس سے صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

(۴) ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ ہندوستانی ایکٹرسوں کی اکثریت پیشہ ور عورتوں کی ہے جنکی زندگی صنعت فلم کی خدمت کے علاوہ خواہشات نفسانی کی تکمیل کے لئے وقف ہوتی ہے جس سے وہ امراض میں مبتلا ہو کر فلم کے لئے بالکل ناکارہ ہو جاتی ہیں۔

(۵) پانچویں وجہ ہندوستانی ایکٹرسوں کی خود پسندی اور رعونت ہے اکثر ہندوستانی ایکٹرسیں دو چار فلموں میں کام کرنے کے بعد اپنے آپ کو ماہر فن اور باکمال سمجھنے لگتی ہیں اور کسی سنجیدہ مشورہ پر عمل کرنا یا تحصیل فن کی کوشش کرنا کسر شان سمجھتی ہیں جس کی وجہ وہ کمال فن سے محروم ہو جاتی ہیں۔

(۶) چھٹی وجہ یہ ہے کہ ہندوستانی فلم ساز اداکاروں کی قلت کے باعث اپنے فلموں میں ایک مخصوص جوڑے کو بطور ہیرو و ہیروئن پیش کرتے ہیں چونکہ ایک ہی قسم کی اداکاری کی وجہ فلموں میں تنوع پیدا نہیں ہوتا اور عوام اک رنگی اور مانوس چہروں سے اکتا کر نئے چہروں کے خواہشمند ہوتے ہیں اس لئے اُن کی مقبولیت گھٹنے لگتی ہے۔

(۷) ساتویں وجہ ہندوستانی ایکٹرسوں کا غیر تعلیم یافتہ ہونا ہے کافی تعلیم نہ ہونے کی وجہ نہ تو وہ فن کی باریکیوں کو ذہن نشین کر سکتی ہیں نہ فن کے متعلق اپنے مشاہدات و تجربات اور فنی پہلوؤں پر اظہار خیال کر سکتی ہیں اس لئے ان کی اداکاری نئے اداکاروں کے لئے مشعل راہ ثابت نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی ایکٹرسیں شہرت دوامی حاصل کرنے سے محروم رہتی ہیں۔

ان وجوہ کے علاوہ بعض اتفاقات حادثات مثلاً دوران فلمبندی میں کسی زخم یا چوٹ کی وجہ معذور ہونا مالکان کمپنی اور اداآموز وغیرہ کی ناراضی بھی ایکٹرسوں کے زوال کا باعث ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا اُمور مالکان کمپنی۔ اداآموزوں اور اداکاروں سے متعلق ہیں جب تک ان نقائص کو دُور کرنے کی کوشش نہ کی جائیگی ہندوستانی اداکار مغربی اداکاروں کی طرح لازوال شہرت حاصل نہ کرسکیں گے اور نہ فنی حیثیت سے اداکاری ترقی کرسکتی ہے۔

(مووی لینڈ ماہ مئی ۱۹۳۹ء)

فلم ایکٹرس[1]

یہ توسب کو معلوم ہے کہ "ایکٹرس" یا اداکارہ اس عورت کو کہتے ہیں جو اسٹیج پر یا فلم میں کام کرکے نقل کو اصل بنائے اور اپنے کردار کا نقش بٹھا دے۔ فی زمانہ ہر ملک میں ایکٹرس کی دوستی بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جارہی ہے، فرانس میں کسی ایکٹرس سے دوستی پیدا کرنا جس قدر آسان ہے انگلستان میں اُسی قدر دشوار ہے۔ وہاں اس کے لئے طلائی سکوں کی بارش کرنی پڑتی ہے، اور امریکہ کے لئے تو غالباً اور بھی دشواری ہے! اس موقع پر ہم کو

---

[1] اس مضمون میں جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں، ان پر بعض تردیدی مضمون بھی شائع ہوئے ہیں لیکن میں ان مضمونوں کی روشنی میں اپنے خیالات کو تبدیل کرنے کی کوئی وجہ نہیں پاتا۔

یورپ اور امریکہ سے بحث نہیں ہے، ہم تو صرف ہندوستان کی ایکٹرس کے متعلق کچھ صراحت کریں گے، یہ امر واضح رہے کہ ہم ذاتی طور پر کسی فلم ایکٹرس سے واقف نہیں ہیں اور نہ واقف ہونے کے خواہشمند، اس لئے کسی کی خوشی منظور ہے اور نہ ناراضی کا ڈر،

موجودہ زمانہ میں ہندوستانی ایکٹرسوں کو اولاً دو اقسام میں تقسیم کرسکتے ہیں، ایک تو وہ جو شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں، اور دوسرے وہ جو مخصوص طبقہ کی پیداوار ہیں ان کی پھر دوسری تقسیم مذہب کے لحاظ سے ہندو مسلمان عیسائی، یہودی، پارسی، کی جاسکتی ہے۔

آج سے چند سال پہلے شریف گھرانے سے تعلق رکھنے والی ایکٹرسوں کا کال تھا مگر اب ایسا نہیں ہے۔ کئی ہندو، عیسائی اور یہودی ایکٹرسیں شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً دیویکا رانی، مس شانتا آپٹے، اسنرور گا گھوٹے، اوماشاسی، مس لیلی دیسائی، مایا دیوی، ہیرا دیوی وغیرہ مگر مسلم شریف گھرانے سے تعلق رکھنے والی ایکٹرسیں شاذ ونادر نایاب ہیں اس زمرہ میں صرف رینوکا دیوی کا نام لیا جاسکتا ہے، رینوکا دیوی ایک مسلم شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہے، اور علی گڈھ کی تعلیمیافتہ ہے"

شریف گھرانے کی خواتین تعلیم یافتہ ہوتی ہیں اس لئے یہ ایکٹرسیں اپنے فن میں اچھی مہارت حاصل کر رہی ہیں، چونکہ ہندو سوسائٹی میں اب فلم ایکٹرس بننا معیوب نہیں ہے اس لئے ان کی بڑی تعداد اس زمرہ میں شامل ہے جن میں سے اکثر شادی شدہ ہیں، شریف مسلم خواتین سے بہت کم خواتین نے ایکٹرس بننا پسند کیا ہے یہاں

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایکٹرس کے فرائض انجام دینا مفید ہے یا مضر؟ اس کے بعد اس کا جواب دیا جا سکتا ہے کہ "مسلم ایکٹرس" مفید ہے یا نہیں۔

قبل اس کے کہ "ایکٹرس" کے متعلق کچھ لکھا جائے یہ دیکھنا ہوگا کہ "فلم فی نفسہٖ مفید ہے یا مضر؟

ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ فلم مفید بھی ہے اور مضر بھی اس سے فوائد بھی حاصل ہو رہے ہیں اور نقصانات بھی اس کی تفصیلی صراحت کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے یہاں صرف اس قدر لکھا جا سکتا ہے کہ تبلیغ اور اصلاح کا کام جس قدر عمدہ طریقہ پر فلم سے لیا جا سکتا ہے کسی اور ذریعہ سے نہیں لیا جا سکتا۔ مثلاً ہندی زبان کی ترویج ہی کو لیجئے کہ فلم کے ذریعہ کتنے الفاظ لوگوں کی زبان پر چڑھ گئے ہیں اور کتنے الفاظ سے لوگوں نے واقفیت پیدا کر لی ہے، یہ صرف فلم کی وجہ ہے اور کسی ذریعہ سے ہندی الفاظ کا رواج اس قدر جلد دشوار تھا۔ اسی طرح اصلاحی کام ہے انسان کا یہ خاصہ ہے کسی تقریر و تحریر واعظ و نصیحت سے اس قدر متاثر نہیں ہو سکتا جس قدر کہ عملاً کسی چیز کو دیکھ کر ہو سکتا ہے مثلاً بیوہ کی مصیبت، کمسنی یا ناراضی کی شادی اس کے بُرے نتائج اگر عملاً فلم میں بتائے جائیں تو جو اثر لوگوں کے دلوں پر ہو سکتا ہے وہ بیسیوں مرتبہ تقریر کرنے یا مضمون لکھنے سے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح تاریخی واقعات کو لیجئے، اسکول اور کالج کے لڑکوں کو تاریخی کتابوں کے درس دینے اور یاد رکھنے کے لئے بڑی دشواری ہوتی ہے، اگر عملاً کسی بادشاہ یا سورما کی زندگی کے واقعات فلمائے جائیں تو بہت جلد لڑکوں کو واقعات معلوم ہو سکتے ہیں بہر حال فلم سے بہت کچھ مفید کام

لئے جا سکتے ہیں۔

اس کے بعد دوسرا سوال زیر بحث آتا ہے کہ فلم ایکٹرس کے فرائض انجام دینا مفید ہے یا نہیں ؟

اس سوال کے متعلق بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلم ایکٹرس کے فرائض انجام دینا مفید بھی ہے اور مضر بھی ہے۔

مفید اس لئے کہ یہ بھی ایک فن ہے کسی فن میں مہارت حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور پھر ایک طرح سے یہ قومی خدمت بھی ہے، قوم کو بیدار کرنے، ہمت ولولہ اور جوش دلانے، برُے رسومات سے باز رکھنے کے لئے اس سے بہتر خدمت نہیں ہوسکتی قوم کی اصلاح کی کوشش کرنا اور مدد کرنا قوم کے ہر فرد کا فرض ہے اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ "ایکٹرس" بننا مفید ہے۔

اور مضر اس لئے ہے کہ موجودہ فضا کے لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ "ایکٹرس" کی زندگی بڑے آزمائش کا مقام ہے آلائش اور مکروہات قدم قدم پر پیش ہوتے ہیں، ان سے بچنا سخت مشکل ہے، ممکن ہے کہ یہ دشواریاں موجود ہوں مگر جہاں تک میرا خیال ہے اگر مستقل مزاج اور مضبوط کردار کی عورت ہو تو پھر اس کے لئے یہ منزل بھی چنداں دشوار گزار نہیں ہے۔

ان وجوہ سے کہا جا سکتا ہے کہ فلم" ایکٹرس" کے فرائض انجام دینا نامناسب نہیں ہے، اب تیسرا سوال غور طلب ہے کہ "مسلم" ایکٹرس" مفید ہے یا نہیں ؟

میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ اس وقت تک جو مسلم" ایکٹرسیں" فلم میں

کام کرتی ہیں ان میں شریف مسلم گھرانے کی لڑکیاں غالباً ایک دو کے سوا نہیں ہیں اگر ہیں تو انہوں نے بھی "سماج" کے خوف سے یا دوسری سماج میں مقبولیت کے لئے اپنے اصلی نام کے بجائے فرضی "ہندو" نام اختیار کر لیا ہے اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت سوائے ایک آدھ ایکٹرس کے کوئی مسلم شریف خاندان کی لڑکی اس خدمت کو انجام نہیں دے رہی ہے۔

ہم کو یہاں اوّل یہ دیکھنا ہے کہ "مسلم ایکٹرس" کی ضرورت کیوں ہے اور پھر اس کے نقصانات واضح کئے جا سکتے ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ کہ ہندوستان کے مسلمان تعلیم، دولت وغیرہ میں اپنے دوسرے ہمسایہ اقوام ہندو، پارسی وغیرہ سے پیچھے ہیں اور اس کے باعث نقصانات اٹھاتے جا رہے ہیں تو کیا اس فن میں بھی جو اب عالمگیر حیثیت حاصل کر چکا ہے اسی طرح پیچھے رہیں گے؟ اگر اس پر توجہ نہ کی گئی تو جس قدر دیگر شعبوں میں پیچھے رہنے کی وجہ افسوس کیا جا رہا ہے اس پر بھی افسوس کرنا پڑے گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہندو قوم اپنے سماج کی اصلاح پر کمر ہمت چسپ کر کے فلم میں ہندو کردار و کیرکٹر پیش کر رہی ہیں جب تک مسلمان مستعد اور آمادہ نہ ہوں اس وقت تک مسلم معاشرت کی اصلاح نہیں ہو سکتی اس لئے ضرورت ہے کہ مسلم عورتیں اپنے قوم کی درستی اور اصلاح پر تیار ہو کر قدم آگے بڑھائیں ہندو خواتین قوم کی ترقی کے لئے جس طرح پیش قدمی کر رہی ہیں وہ ایک نمونہ ہے، جب تک مسلم ایکٹرس میدان عمل میں آئیں گی

اس وقت تک قوم کے بعض بڑے رسومات کی اصلاح نہ ہو گی تیسری وجہ یہ رہا ہے کہ مسلم شریف خواتین کے ایکٹرس نہ ہونے سے مخصوص طبقہ ان کی جگہ لیکر سوسائٹی میں جس طرح بدنامی کا موجب ہو رہا ہے، وہ ظاہر ہے جب تک مسلمان خواتین پیش قدمی نہ کریں گی اس وقت تک یہی طبقہ اس فن پر قابض رہے گا۔ اور قوم کی ترقی اور اصلاح کی جو امیدیں فلم سے وابستہ ہیں وہ پوری نہیں ہو سکتیں،

یہ چند وجوہ ہیں جو مسلم شریف خواتین کو فلم ایکٹرس بننے کی تائید میں پیش کئے جا سکتے ہیں، اب اس کے بعد ان امور کا بھی تذکرہ ضروری ہے جو موجودہ صورت میں ان کے لئے نقصانات کا موجب ہیں۔

اول تو کوئی ایسی مسلم فلم کمپنی نہیں ہے جو اس ضرورت کو تسلیم کر کے شریف خواتین کی تلاش اور جستجو کرے یا کوشش کرے، جب تک مسلم سرمایہ سے مسلم کمپنی قائم نہ ہو مسلمان ایکٹرسیں نہیں مل سکتیں کسی دوسرے کو کیا پڑی کہ وہ مسلم شریف ایکٹرس کی تلاش کرے جب کہ بیسوں ہندو، عیسائی اور یہودی شریف گھرانے کی ایکٹرسیں اور خود مسلمان پیشہ ور طبقہ کی ایکٹرسیں مل جاتی ہیں۔

دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ فلم کمپنیوں کی فضا گھناؤنی ہوتی ہے ایکٹرس کا فریضہ ہے کہ وہ مالکان کمپنی ڈائرکٹر، کیمرہ من اور ہیرو کو خوش رکھے ورنہ ایکٹرس مقبول نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی اداکاری کامیاب ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے یہ بیان صحیح ہو اور بعض کمپنیوں میں یہ دشواریاں موجود ہوں بہر حال بمصداق "تا نباشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا"

مسلم شریف لڑکی کا فلم ایکٹرس بننا بیشک معیوب ہے لیکن اس

نقص کی وجہ فلمی اداکاری سے کنارہ کشی مناسب نہیں ہے اس نقص کو دور کرنے کے لئے کمرِ ہمت چست اور استقلال سے کام لینے کی ضرورت ہے تاکہ یہ خرابی دُور ہوجائے۔

اس تفصیل کے بعد چند امور موجودہ فلم ایکٹرسوں کے متعلق بھی سپردِ قلم کرنا مناسب ہوگا اس میں شک نہیں کہ فلمی اداکاری کے باعث موسیقی داں اور پیشہ ور طبقہ کی کئی عورتیں ہندوستان میں خاصی مشہور ہوگئی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ دولتمند بھی بن گئی ہیں، لیکن اس موقع پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا درحقیقت وہ ایسی دولتمند ہوگئی ہیں جو سابق میں کسی طوائف کو میسر نہیں تھی، میرا خیال ہے آج سے چند سال پہلے بعض طوائفوں نے فلم ایکٹرس نہ ہونے کے باوجود جو دولت پیدا کی تھی وہ شاید آج کسی فلم ایکٹرس کو نصیب نہیں، مثلاً مشہور ماہر موسیقی "گوہرجان" کا نام کون نہیں جانتا کہا جاتا ہے اس کے پاس سواری کے لئے چار گھوڑوں کی گاڑی تھی اور وہ ہمیشہ اسی میں سیر کو نکلا کرتی تھی۔ اس کے بعض ملازم پانچ سو پانچ سو ماہوار کے ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ بات ہم نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ جب گوہرجان سنہ ۱۳۳۰ھ یا سنہ ۱۳۳۱ھ میں حیدرآباد آئی تھی اور کرشنا تھیٹر (موجودہ زمرد محل) میں اس کی موسیقی کے جلسے ہوئے تھے تو ایک مرتبہ قالین سیدھا کرنے کے فرائض ایک یوروپین صاحب بہادر نے انجام دئے تھے اور ان کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ہیں تو ملازم مگر تنخواہ نہایت کافی ہوگی، تو اب سوال یہ ہے کہ کیا کوئی فلم ایکٹرس اپنے سکرٹری کی حیثیت سے کسی یوروپین کو ملازم رکھنے

کی سکت رکھتی ہے؟ اس کا جواب نفی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال یہ کہا جا سکتا ہے کہ دولت کے اعتبار سے موجودہ ایکٹرسوں نے کوئی کامیابی حاصل نہیں کی ہے۔

اس کے بعد دوسرا سوال وسائل دولت کا ہے فلم ایکٹرس فلم میں کام کر کے بڑی سے بڑی تنخواہ اگر حاصل کرے تو ماہوار چار پانچ ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکتی اور میرا خیال ہے کہ ہندوستان کی کسی فلم ایکٹرس کی اتنی ماہوار ہرگز نہیں ہوگی، اس کے مقابل جو طوائفیں ماہر موسیقی تھیں وہ اپنے گانے کی ایک ایک نشست کے لئے ہزار بلکہ اس سے زیادہ بھی وصول کر لیتی تھیں آمدنی کے بعد محنت کا سوال پیش ہوتا ہے سابق میں طوائفین اپنی آپ مختار تھیں زیادہ سے زیادہ موسیقی کے وقت کی پابندی تھی، مگر اب فلم کے باعث جس قدر سخت محنت کرنی پڑتی ہے وہ ظاہر ہے بعض مرتبہ تو جان کے لالے پڑ جاتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے معذوری ہو جاتی ہے، آج کل فلم میں جو سخت محنت کرنی ہوتی ہے اس کی عشر عشیر محنت بھی سابق میں نہیں تھی،

ان امور کے مقابل جو فوائد اب فلمی اداکاری کے باعث حاصل ہیں اور پہلے میسر نہیں تھے وہ بھی قابل تذکرہ ہیں۔

اول تو یہ کہ اب اداکاری میں شہرت زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے ہندوستان کے اس سرے سے اس سرے تک فلم ایکٹرس کا نام مشہور ہو جاتا ہے اس شہرت کے باعث عاشقوں یا دوسرے الفاظ میں بوالہوس مشتاقوں کی تعداد خاصی پیدا ہو جاتی ہے جو آئے دن عشقیہ خطوط اور

محبت نامے بھیجا کرتے ہیں۔ اس طرح اِن فلم ایکٹرسوں کی روزانہ ڈاک خاصی مقدار میں ہوتی ہے، جن کو وہ کبھی تو جواب سے سرفراز کرتی ہیں اور اکثر تو ردی کے نذر کر دیے جاتے ہیں، اور پھر تصویروں کی فرمائش بھی کثیر تعداد میں پوری کرنی پڑتی ہے اور اکثر کیمرہ مین کی مہربانی سے مفت حاصل کر لی جاتی ہیں جو اپنے مشتاقوں کو بھیج کر شکریہ کا موجب بنتی ہیں۔ فلمی اداکاری کے باعث ایک اور چیز حاصل ہو گئی ہے وہ عزت اور وقعت ہے، اگر کسی کو کسی طوائف سے دوستی یا راہ و رسم ہو تو اس کا علانیہ اعلان نہیں کیا جاتا تھا مگر اب وہی طوائف فلمی زندگی اختیار کر لیتی ہے تو اس کے ساتھ راہ و رسم رکھنے کو سماج معیوب تصور نہیں کرتی، اس طرح سماج میں فلم ایکٹرس ایک خاص مرتبہ حاصل کر چکی ہے؛

اِن تمام امور کے باوجود یہ امر قابلِ تعجب ہے کہ اس قسم کے فلم ایکٹرسوں کو بہت جلد زوال ہو جاتا ہے، اس کے وجوہ کی ہم نے ایک مضمون میں صراحت کر دی ہے، ایک زمانہ تھا کہ کجن، جہاں آرا، زبیدہ، گوہر وغیرہ اپنی ایکٹنگ اور خوش گلوئی کے باعث خاص طور پر مقبول تھیں مگر اب یہ سب پردۂ فلم سے غائب ہو چکی ہیں آج کل مہو اور نسیم کا طوطی بول رہی ہے۔

موجودہ فلم ایکٹرسوں کے لئے چند امور پر کاربند ہونا ضروری ہے اوّل تو یہ کہ وہ اپنی ایک انجمن قائم کر لیں اور باہم متحد ہو جائیں، اس کے بعد فلم کمپنیوں سے اپنے مطالبات اور خواہشات کی تکمیل کرا سکتی ہیں۔ ہونا یہ چاہیئے کہ فلم میں کام کرنے کے لئے روزانہ چند گھنٹے مخصوص

کر دئے جائیں اور زیادہ وقت نہ دیا جائے ہفتہ میں ایک دو دن تعطیل لی جائے اور پوری طرح آرام سے بسر کیا جائے،

رات کا حصہ عیش و عشرت، بادہ و نشاط میں گزارنے کے بجائے آرام اور راحت میں بسر کریں، فلم کی محنت اور مشقت کے بعد پورا آرام اور سکون حاصل کریں۔

کسی فلم میں بہترین کام کرنے کے بعد غرور اور تکبر اختیار نہ کریں بلکہ پہلے سے زیادہ دلچسپی اور انہماک سے اپنے کام کو انجام دیں۔

اور آخر پہ یہ کہ فلم کمپنیوں، ڈائرکٹروں وغیرہ کے بیجا خواہشات کا مردانہ وار اور متحد ہو کر مقابلہ کریں فقط

مووی لینڈ ماہ ڈسمبر ۱۹۳۹ء

ہندوستانی فلم ساز کمپنیوں کی توجہ کیلئے چند امور

اگرچہ ہندوستان میں فلم ساز کمپنیاں مختلف شہروں مثلاً کلکتہ، بمبئی، لاہور، پونہ، کولاپور وغیرہ میں موجود ہیں، مگر جو خصوصیت بمبئی اور کلکتہ کو حاصل ہو گئی ہے وہ کسی اور شہر کو نصیب نہیں۔ یہ دونوں شہر گویا فلم سازی کے مرکز ہیں، یہاں متعدد کمپنیاں فلم سازی میں مصروف ہیں، ان میں سے بعض تو شخص واحد کی ملکیت ہیں اور بعض مشترکہ عموماً یہ دیکھا گیا ہے زیادہ تر وہی کمپنیاں اپنے کاروبار کو اچھی طرح انجام دے رہی ہیں جو مشترکہ ہیں۔

سینما بینی کا جو شوق تمام ہندوستان میں پھیل رہا ہے اس لحاظ سے
آئے دن نئے سینما گھر اور فلم ساز کمپنیوں میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے
عوام میں سینما کا شوق جس سرعت سے ترقی کر رہا ہے اس کا اندازہ اس
امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۲۷ء میں تمام ہندوستان میں سینما گھر کی
تعداد صرف (۳۵۰) تھی، لیکن دس سال کے اندر اس کی تعداد میں تین
گونہ سے زیادہ اضافہ ہو گیا چنانچہ ۱۹۳۷ء میں ان کی تعداد (۱۲۳۶) تھی[1]
یہ امر بھی خصوصیت سے قابل غور ہے کہ کل ہندوستان میں دس ہزار
یا اس سے زیادہ کی آبادی کے شہر سات (۷۰۰) سو سے بھی کم ہیں اس کے مقابل
سینما گھروں کی تعداد کس قدر تعجب خیز ہے۔

اس سلسلہ میں انگلستان کا ایک چشم دید واقعہ بھی قابل تذکرہ ہے،
۱۹۲۹ء میں جب میں انگلستان میں تھا تو ایک مرتبہ شیر باں (موٹر بس) کے
ذریعہ ہمارا گزر دیہات میں ہوا۔ ایک موضع میں جو بہت چھوٹا گاؤں تھا
ایک سینما گھر بنا ہوا تھا۔ گائیڈ نے لوگوں کو بتایا کہ یہاں ہفتہ میں ایک بار
سینما ہوتا ہے، اس پر سبھوں نے ایک قہقہہ لگایا۔

اگرچہ ہندوستان میں سینما کا شوق اس انتہا کو تو نہیں پہونچا ہے مگر
موجودہ صورت حال کے مدنظر اگر ترقی کی رفتار یہی رہی تو یہاں بھی وہی
حالت ہو جائے گی۔

عوام کے اس شوق کے باعث فلمساز کمپنیوں کی کثرت لازمی ہے۔

---

[1] اخبار صحیفہ ۲۴ر جولائی ۱۹۳۷ء

کیونکہ ہر شئے کی مانگ پر ہی ضروریات کی تکمیل کے سامان فراہم ہوتے ہیں، مگر اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح فلم ساز کمپنیاں عالم وجود میں آتی ہیں اسی طرح ٹوٹ بھی جاتی ہیں اور دیوالیہ ہو کر بند ہو جاتی ہیں۔ جس کے وجوہ غور طلب ہیں۔

اس موقع پر چند امور کا اظہار مناسب معلوم ہوتا ہے جو فلم ساز کمپنیوں کی توجہ اور عمل کے محتاج ہیں۔

(۱) فلم سازی کیلئے سب سے بڑی ضرورت سرمایہ کی ہے اور یہ صحیح ہے کہ بعض کمپنیاں کافی سرمایہ کے ساتھ اپنے کاروبار کو انجام دے رہی ہیں۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ دس کروڑ روپیہ اس وقت فلم سازی میں لگا ہوا ہے۔ مگر پھر بھی اس امر کی ضرورت ہے کہ چھوٹی چھوٹی کمپنیاں جو قلیل سرمایہ سے کاروبار چلا رہی ہیں وہ آپس میں متحد ہو جائیں۔ اس کے باعث سرمایہ مشترکہ میں اضافہ ہو گا اور کام میں سہولت ہو گی۔

(۲) دوسری اہم ضرورت یہ ہے کہ ہر کمپنی میں اداکاروں کی تعداد زیادہ کی جائے، کیونکہ مختلف قسم کے کردار کا ادا کرنا کسی ایک کے بس کی بات نہیں ہر فلم میں ایک ہی ہیرو یا ہیروئن کو پیش کرنا معیوب ہے نیو تھیٹرز کے سوا کسی کمپنی میں اس کا انتظام نہیں ہے، چنانچہ بمبئی ٹاکیز کے ہر کھیل میں دیوی کا رانی اور اشوک کمار پیش کئے جاتے ہیں ساگر میں بیبو اور سیتا دیوی، پربھات میں شانتا آپٹے۔ اس طرح مستقل ہیرو اور ہیروئن کے باعث فلم میں دلچسپی باقی نہیں رہتی لیکن اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے بھی سرمایہ کی ضرورت ہے کافی سرمایہ نہ ہونے کی وجہ اداکاروں

ہیں اضافہ نہیں کیا جا سکتا ۔

(۳) عام طور پر دیکھا جا رہا ہے کہ باستثنا چند جس قدر عورتیں فلسازی میں حصہ لے رہی ہیں وہ پیشہ ور طبقہ سے متعلق ہیں اس کے مختلف وجوہ بیان کئے جاتے ہیں ۔

بہر حال اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ نگارخانوں کے ان نقائص کو دور کیا جائے جن کی وجہ شریف خواتین پر حرف گیری کا موقع ملتا ہے اور اس امر کا خاطر خواہ انتظام کیا جائے کہ شرفاء اس کام کو بلا کسی خوف و اکراہ کے انجام دے سکیں جب تک شرفاء اس میں حصّہ نہ لیں گے اس وقت تک ہمارے فلموں میں اصلاح نہیں ہو سکتی اور نہ وہ تعلیم یافتہ طبقہ میں مقبول ہو سکتے ہیں ۔

(۴) ہندوستانی فلموں کی غیر ضروری طوالت بھی اس کی ناکامی کا ایک بڑا سبب ہے، تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے تین ساڑھے تین گھنٹہ کا وقت صرف کرنا دشوار ہے، اس کے علاوہ طوالت کے باعث صرفہ میں بھی اضافہ ہوتا ہے ۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ہندوستانی فلموں کو جہانتک ممکن ہو مختصر کیا جائے ۔

(۵) جہانتک مجھے معلوم ہے اب تک کوئی تعلیمی فلم ہندوستانی فلم کمپنیوں نے نہیں بنایا ہے ؛ اسی طرح تاریخی کھیل ایک دو سے زیادہ نہیں اصلاحی اور معاشرتی فلم البتہ ضرور ہیں لیکن عشقیہ کھیلوں کے مقابل ان کو کوئی نسبت ہی نہیں ۔

جہاں تک معلوم ہے بعض قابل افراد نے ڈرامہ لکھنے سے صرف اسلئے انکار کیا کہ ان سے فرمائش کی گئی تھی کہ "چار آنہ" درجہ والوں کا لحاظ رکھا جائے جب کوئی کھیل غیر تعلیم یافتہ وشوقیانہ ذوق کو پیش نظر رکھ کر تیار کیا جائے تو پھر تعلیم یافتہ اصحاب کس طرح اس سے متمتع ہو سکتے ہیں۔

(۶) فلم کی زبان عام فہم ہونی چاہئے "ہندی" کو ترجیح دینے کے لئے بلاضرورت سنسکرت کے موٹے موٹے الفاظ کا استعمال فضول ہے، جو لفظ ایک عرصہ سے مانوس ہو چکا ہے اس کو صرف اس لئے کہ فارسی یا عربی سے آیا ہے ترک کر کے سنسکرت کے غیر مانوس لفظ کا استعمال سود مند نہیں ہو سکتا۔

اور پھر "ہندی" اور اردو زبان کی علیحدہ علیحدہ فلم تیار کرنے کے بجائے اگر عام فہم زبان میں فلم تیار ہوں تو ہندی بولنے والے اور اردو بولنے والے دونوں مستفید ہو سکتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر فلم کی زبان "ہندوستانی" ہونی چاہیئے نہ کہ ہندی یا سنسکرت۔

(۷) بمبئی اور کلکتہ کے خاص شہریوں کے بجائے فلم کی تیاری کے لئے خاص خاص آبادیاں بنانی چاہیئے تاکہ وہاں کا ماحول بھی فلم سازی کا معاون اور ممد ہو سکے جیسا کہ غیر ملکوں میں ہوتا ہے۔

(۸) ہندوستان کا چپہ چپہ ہماری گزشتہ تاریخ، گزشتہ عظمت وشوکت، ہمارے سابقہ تہذیب وتمدن ہمارے ماضی کی داستانوں کا شاہد ہے، ضرورت ہے کہ ان گراں قدر تاریخی یادگاروں سے مدد لے کر تاریخی

فلم بنائی جائیں اور ہندوستان کے بچوں اور جوانوں کو ان کی گزشتہ عظمت وشوکت، گزشتہ تہذیب وتمدن، گزشتہ علم وفن سے باخبر کیا جائے تاکہ ہمارے نوجوان یوروپین اصحاب کی گمراہ کن تاریخوں کو بھول جائیں

ہندوستانی فلم سازی کے لئے، یہ ایسی شاندار چیزیں ہیں کہ اہل یورپ لاکھوں کے صرفہ سے بھی اس میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے لیکن ہم تھوڑے سے خرچ سے ایک نہایت عمدہ تاریخی فلم تیار کر سکتے ہیں۔

(۹) جو کھیل شرقی تہذیب اور مشرقی تمدّن کے حامل ہوتے ہیں، ان میں یوروپین ڈانس، یوروپین رقاصہ کے کمالات کو پیش کرنا نہایت ناموزوں اور غیر مفید ہے اس قسم کے رقص موقوف کرنا چاہیئے اس کے بجائے مشرقی اور ہندوستانی رقص کے کمالات بتائے جا سکتے ہیں۔

(۱۰) مارپیٹ لڑائی، جھگڑے، چوری اور بدمعاشی کے مناظر اور کردار سے احتراز کرنا ضروری ہے اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا بلکہ جہاں تک سنا گیا ہے اس کی وجہ عوام کے اخلاق وعادات پر نہایت مضر اثر پڑ رہا ہے۔

یہ چند امور ہیں، اگر فلم ساز کمپنیاں ان پر توجہ کرنے کی زحمت گوارہ کریں تو اُمید ہے کہ ہمارے فلم بھی کارآمد ہو سکیں گے اب تک تو صرف تفریح یا جلب منفعت کے سوا کوئی اصلاحی یا تبلیغی کام فلم سے حاصل نہیں کیا جا رہا ہے۔

(مووی لینڈ دسمبر ۱۹۳۸ء)

ہم کو کیسے فلم درکار ہیں

ہر کام، ہر شئی اور ہر کھیل کا ایک مقصد ہوتا ہے، بغیر مقصد کے کوئی کام نہیں ہوتا، اب سینما کا شوق دنیا میں عام طور سے پھیل گیا ہے، بہت بڑی رقم اس میں خرچ ہوتی اور وصول ہوتی ہے، اس موقع پر یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ سینما کا مقصد کیا ہے ؟

کیا فلم کا مقصد صرف کھیل اور تفریح ہے؟ یا اور کچھ ؟ گو یہ ایک حد تک صحیح ہے کہ فلم کا ایک مقصد تفریح طبع ہے، لیکن اس کے ساتھ دوسرے اہم مقاصد بھی ہیں۔

فلم کے ذریعہ اخلاق کی درستی اور برائی کا سدباب ہوتا ہے، تعلیم کی ترقی جاہلیت کا انسداد کیا جا سکتا ہے، بُرے رسومات کی موقوفی، معاشرت کی اصلاح ہو سکتی ہے، سائنس کے مشاہدات، علمی تحقیقات کا انکشاف ہو سکتا ہے، سلف کی تاریخ کا عینی مشاہدہ کرایا جا سکتا ہے۔

آج دنیا میں فلم سے بہت کچھ کام لیا جا رہا ہے، زندگی کے سدھار میں فلم سے بڑی مدد مل رہی ہے۔ قوموں کی ترقی، علم و ہنر کی وسعت، تعلیم کے عام کرنے میں فلم کے ذریعہ جو کام لیا جا رہا ہے وہ حیرت انگیز ہے دنیا کے دوسرے حصوں کی طرح ہندوستان میں بھی آج ربع صدی سے فلم تیار ہو رہے ہیں، سینما بینی کا شوق روز بروز ترقی کرتا جا رہا ہے،

ہندوستان کی مفلس آبادی کے کمائی اور محنت کا بڑا حصہ سینما کے نذر ہو رہا ہے،
اس موقع پر ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ ہمارے فلموں کا مقصد کیا ہے اور خداوندان
فلم کن امور کو پیش نظر رکھ کر فلم تیار کرتے ہیں۔

ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کے موجودہ فلم کا مقصد روپیہ
کمانا ہے، جس طرح آج سے نصف صدی پہلے ناٹک اور تھیٹر کے ذریعہ روپیہ
حاصل کیا جاتا تھا اُسی طرح اب فلم کے ذریعہ وہی کام کیا جا رہا ہے، کیا یہ افسوس
کا مقام نہیں ہے؟

ہم خداوندان فلم، مالکان کمپنی سے دریافت کرتے ہیں خدارا ہم کو بتایا
جائے کہ آج ہندوستان کے کتنے فلم ہیں، جو ہماری گزشتہ صحیح تاریخ کا سبق
یاد دلاتے ہیں، پرانے سورماؤں کی بہادری کے واقعات کو پیش کرتے ہیں
عدل و انصاف اور رواداری کے حالات بتاتے ہیں۔

کتنے فلم ہیں جو عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں جو قدیم رسومات توہمات
سے آزاد کرانے کا مقصد رکھتے ہیں، کتنے فلم ہیں جو سائنس اور علم کے
مشاہدات اور تحقیقات کو پیش کرتے ہیں، کتنے فلم ہیں جو ہمارے بچوں
کی تعلیم اور بالغوں کے اضافۂ معلومات کا باعث بنتے ہیں، اس کا جواب
نفی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

خداوندان فلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اب صرف روپیہ حاصل کرنے
کے مقصد کو اپنا اولین مقصد اور اپنا واحد نصب العین نہ قرار دیں بلکہ اصلاح
ملک اور اصلاح قوم کو اپنا مقصود و منشا بنائیں۔

اس وقت ہم کو ایسے فلموں کی ضرورت ہے جو قوم کی اصلاح اور ملک کی ترقی کا باعث ہوں، ہم کو ایسے فلموں کی ضرورت ہے جو سماج کے برے رسم و رواج کی بیخ کنی کرے، بلا مرضی کی شادی، بچپن کی شادی، ناکارہ اور بوڑھوں کی شادی کے نقصانات واضح کئے جائیں،

فیشن کی اندھی تقلید، فیشن پرستی کی تباہ کن بربادی کو پیش کیا جائے، شراب اور قمار کے برے نتائج، عیش و عشرت کی تباہ کاریاں، گناہ اور لذت گناہ کے واقعات مجلاً کیے جائیں۔

اصلاح معاشرت، اصلاح رسم و رواج کے فلم زیادہ سے زیادہ بنانے کی ضرورت ہے، تاکہ قوم تباہی اور بربادی کے عمیق غار سے نکل کر شاہ راہ ترقی پر قدم زن ہو سکے۔

اسی کے ساتھ ہم کو ایسے فلموں کی بھی ضرورت ہے جو علمی ترقیات، سائنس کے ایجادات سے اہل ملک کو واقف کرایا جائے، علم کے حیرت انگیز انکشافات سے اہل ملک کو باخبر کرایا جائے۔

ہم کو ایسے فلم کی ضرورت ہے جو ہمارے بچوں کی تعلیم کا ذریعہ بن سکیں اور ان کو کم از کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہو جائیں۔ اور ان کو کتابی علم سے زیادہ مشاہدات کے ذریعہ علم سے واقف کرایا جائے۔

ہمیں ضرورت ہے ایسے فلموں کی جو ہماری گزشتہ عظمت و شوکت کے بھولے ہوئے سبق کو یاد دلائے ہمارے عدل و انصاف کو بتائے، ہماری بہادری اور دلاوری کے حالات کو پیش کرے۔

ہمیں اس امر کی ضرورت نہیں کہ لیلیٰ مجنوں کی داستان، شیریں فرہاد کا فسانہ، یا الف لیلیٰ اور طلسم ہوشربا کے افسانے فلمائی جائیں ان سے ملک اور اہل ملک کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس وقت تو ہم کو دوسرے نوعیت کے فلم درکار ہیں، جو زندگی کے سدھار اور ملک کے ترقی کا موجب بن سکیں کیا ہی اچھا ہو گا کہ فلم جوبلی کے بعد ہمارے فلموں کا جدید دور آغاز کیا جائے۔ (رسالہ فلم ۱۹۳۹ء)

ہندوستان کو کس قسم کے فلموں کی ضرورت ہے

صنعت فلمسازی کو ہندوستان میں جنم لئے ربع صدی سے زیادہ عرصہ گزرا اور اس عرصہ میں مختلف فلمساز کمپنیوں نے جس کثرت سے فلم تیار کئے ان کی صحیح تعداد معلوم کرنا دشوار ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب تک ہندوستانی فلموں کی تعداد سینکڑوں سے گذر چکی ہے۔

اگر ہم ہندوستانی فلموں کو اقسام وار تقسیم کریں تو سب سے زیادہ عشقیہ فلم ہوں گے۔ اس کے بعد ہندؤں کے مذہبی فلم سماجی و اصلاحی فلم انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں اور تاریخی فلموں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ تعلیمی فلم تو شاید ایک بھی نہیں ملیگا۔

لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان کو فی زمانہ کس قسم کے فلموں کی ضرورت ہے۔ جب ہم مغربی ممالک میں اس صنعت کے اغراض و مقاصد

پر غور کریں گے تو واضح ہو گا کہ وہاں فلم سے علمی، اخلاقی، اصلاحی، تعلیمی کام لئے جاتے ہیں مگر افسوس ہے کہ ہندوستان میں اس کو محض تفریح کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ امر خاص طور پر فلمساز کمپنیوں کی توجہ کا محتاج ہے کہ وہ اپنے نفع کی خاطر عشقیہ فلم بنا کر قوم کے اخلاق اور اس کی زندگی تباہ کرنے کی بجائے فلم سے ملک کی اصلاح و بہبودی اور ترقی کا کام لیں اور اس صنعت کو ہندوستان کی سماجی، ذہنی، تمدنی، تعلیمی، اصلاح کا ذریعہ بنائیں

اس وقت ہندوستان کو جس قسم کے فلموں کی شدید ضرورت ہے اُن کی صراحت مختصر طور پر ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ اُمید کہ فلمساز حضرات اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

تاریخی فلم اس وقت سب سے زیادہ ضرورت تاریخی فلم کی ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تاریخ اپنے ماضی کو دہراتی ہے، ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی، سلف کی زندگی و طرز عمل قابل فخر اور اُن کی رواداری، عدل و انصاف ناقابل فراموش ہے مگر آج کتنے فلم ہیں جن میں سلف کے قابل تقلید کارنامے پیش کئے گئے ہماری تاریخ میں عظمت و شوکت، بہادری و دلاوری۔ شجاعت اور مردانگی کے کارناموں کی کمی نہیں، عدل و انصاف، ہمدردی و وفاداری، ایثار و مروّت کے لافانی کردار اب بھی موجود ہیں مگر کتنے فلم ہیں جن میں ہماری تاریخ کو جو ہماری لاپروائی سے ماضی کی داستان پارینہ بن چکی ہے اور سلف کے کارنامے جن کو قوم فراموش کر چکی ہے۔ نمایاں کر کے، ملک و ملت کی اصلاح کا ذریعہ

بنائے گئے ۔

ہمارے مدرسوں میں جو تاریخیں بچوں کو پڑھائی جاتی ہیں وہ اصلی واقعات سے کس قدر دور ہوتی ہیں محتاج بیان نہیں مسلمان بادشاہوں کو بت شکن ۔ لٹیرے ۔ شراب خوار اور ظالم بتا کر جو جذباتِ منافرت پیدا کئے جاتے ہیں ظاہر ہے ابتدائی جماعتوں میں خصوصاً محمود کو بت شکن ۔ لٹیرا اور ظالم بتایا جاتا ہے لیکن وتاتریہ کیفی کی ناول "منہارانا" کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ درحقیقت محمود کس طرح اخوت، محبت، وہمدردی کا پتلا تھا کس طرح اس نے اپنی منہ بولی بہن ہندو رانی بیجے پور کی بروقت امداد اور دستگیری کی ۔

اکبر کی مسلمہ رواداری اسکی شان وشوکت، عظمت اور دبدبہ اسکی حکومت وجہاں بانی ہندوستان کی تاریخ میں بلند مرتبہ رکھتی ہے ۔ کونسا فلم ہے جو ان سچے واقعات کو پیش کر کے ہماری گذشتہ عظمت کو یاد دلاتا ہے ۔
جہانگیر کا عدل وانصاف ایک تاریخی حقیقت ہے ایک مقتول کے خون کے بدلہ میں اپنی محبوب اور جان سے زیادہ عزیز ملکۂ نورجہاں پر قصاص کا حکم نافذ کر دینا کوئی معمولی بات نہیں ۔ کیا کسی فلم میں جہانگیر[1] کے ان اعلےٰ کارناموں کو پیش کیا گیا ہے ۔

عالمگیر کو ظالم ۔ ہندو کش ۔ ستمگر کہا جاتا ہے ۔ مگر حقیقت پر غور کیجئے کہ کتنے ہندو اس کے دربار سے متعلق تھے اور کتنے ہندو معافیدار ابتک موجود ہیں جو اس کے عطا کردہ عطیات سے مستفید ہو رہے ہیں ۔

ضرورت ہے کہ ہمارے بادشاہوں کے کارناموں کو فلم میں نمایاں

---
[1] اسوقت تک بیکار تیار نہیں ہوا تھا ۔

کیا جائے تاکہ ہماری قوم کے نونہال اسلاف کے نقش قدم پر چلیں اور ان پر ظاہر ہو جائے کہ صدیوں ہندو اور مسلمانوں نے بھائی بھائی بن کر اس ویش کی خدمت کی ہے، رواداری، عدل اور انصاف ہماری حکومتوں کا آئین جہانبانی اور طریقہ حکمرانی رہا ہے۔

اصلاحی فلم ہماری معاشرت بہت کچھ اصلاح طلب ہے اس لئے ضرورت ہے کہ ہندوستانی فلموں کے ذریعہ معاشرتی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ اس وقت ہندوستان میں بھی غلامی کا رواج نہیں رہا۔ لیکن سینکڑوں غریب و بیکس انسان غلاموں سے بدتر زندگی بسر کر رہے ہیں، کتنے صاحب دولت ہیں جو اپنے ملازمین کے آرام و راحت کا خیال رکھتے ہیں اور ان کی خدمت کا اچھا صلہ دیتے ہیں کتنے سرمایہ دار ہیں جو مزدوروں کو ان کی محنت کا پورا معاوضہ دیتے ہیں کتنے زمیندار ہیں جو غریب کسانوں کو انسان سمجھتے ہیں اور اُن کی خدمت کرتے ہیں۔ کتنے اعلیٰ ذات والے ہیں جو اچھوتوں کو اپنے برابر خیال کرتے ہیں۔

کیا ان تمام امور کی اصلاح فلم سے نہیں ہو سکتی ہمارے کتنے فلم ہیں جو ان امور کو ہماری سماج کی زندگی سے خارج کرنے کا ذریعہ بن رہے ہیں

آج ہماری سوسائٹی میں ایسی کتنی مظلوم عورتیں ہیں جو بیوگی کے باعث ذلت خواری میں اپنی زندگی بسر کر رہی ہیں کتنی قابل رحم وہ ہیں جو کمسنی میں بیوہ ہونے کے باعث اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر گمراہ ہو گئیں۔

آج ہماری سماج میں کتنے ایسے جوڑے ہیں جو آپس کی ناراضی و
وبلا مرضی شادی کے باعث عذاب کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور ایسی
کتنی معصوم لڑکیاں ہیں جو ناکارہ بوڑھوں کی شریک زندگی بن کر اپنی
بھرپور جوانی کو سوگوارانہ طریقہ سے گزار رہی ہیں یا پھر گناہ کی زندگی اختیار
کرلی ہیں۔

آج ہمارے ملک میں کتنے فیشن پرست گھر اور خانہ داری سے
بے تعلق شمع محفل بنے والی عورتیں ہیں جن کی زندگی سماج کے لئے زہر
سے بڑھکر خطرناک ہے کیا ہمارے فلمسازوں کا فریضہ نہیں ہے کہ وہ زیادہ
سے زیادہ اصلاح معاشرت، اصلاح رسم و رواج کے فلم بنائیں اور ہماری
جاہل و غیر تعلیم یافتہ قوم کو شرمناک اور ظالمانہ رسوم سے نجات دلائیں۔
یہ حقیقت ہے کہ جو اثر عبرتناک واقعات کو دیکھنے سے ہوسکتا ہے
وہ برسوں کے واعظ و نصیحت، لکچر و تبلیغ سے نہیں ہوسکتا۔ اس لئے
اب ضرورت ہے کہ عام طور پر معاشرتی فلم بناکر سماج کے بُرے رسوم کی
بیخ کنی کی جائے۔

اخلاقی فلم فلم کے ذریعہ اخلاق کی اصلاح بھی نہایت عمدگی اور آسانی
کے ساتھ کی جاسکتی ہے مگر افسوس ہے کہ کوئی ہندوستانی
فلم ایسا نہیں جو از جز تا کل اخلاقی تعلیم دیتا یا حسن و سیرت و حسن اخلاق
کی طرف رہنمائی کرتا ہو کیا کوئی فلم بغیر عشق و محبت کی چاشنی کے دلچسپ و
کامیاب نہیں ہوسکتا فلمساز خواہ مخواہ عشق و محبت کے ہاتھوں قوم کو تباہ

کر رہے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ قوم کے نونہالوں کی طرف توجہ کریں اور ایسے فلم تیار کریں۔ جو خودداری، ہمدردی رحم، محبت، ایثار، ہمت، استقلال مردانگی، اور جرأت کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم کے حامل ہوں اور برے اخلاق ذلت وخواری۔ ظلم، جھوٹ، تہمت، بے حیائی چوری اور شراب نوشی وغیرہ کے برے نتائج بتائے جائیں جیسا کہ جاپانی فلموں میں کوشش کی جاتی ہے۔

تعلیمی فلم جہاں تک مجھے علم ہے ہندوستان میں کوئی فلم تعلیمی اغراض و مقاصد کے تحت تیار نہیں کیا گیا۔ یورپ، امریکہ اور جاپان میں مختلف اقسام کے تعلیمی فلم بنائے جاتے ہیں۔ کوئی بچوں کی تربیت اور تعلیم سے متعلق ہوتا ہے تو کوئی نوجوانوں کی تعلیم، وسعت معلومات کا ذریعہ بنتا ہے کوئی فلم سائنس کی ایجادات و انکشافات کا حامل ہوتا ہے تو کوئی عجائبات روزگار کو پیش کرتا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہندوستان میں اس طرف کسی کو توجہ نہیں۔

فلم کے ذریعہ لڑکوں اور لڑکیوں کو بہتر سے بہتر تعلیم دی جاسکتی ہے۔ جو بات برسوں کی دماغ سوزی۔ کاوش، مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ فلم کے ذریعہ نہایت آسانی سے حاصل کی جاسکتی ہے اور اس سے نہ صرف بچوں کی تعلیم و تربیت ہی میں کافی مدد ملتی ہے بلکہ بالغ العمر لوگوں کی تعلیم میں بھی بڑی سہولت اور آسانی ہوتی ہے۔

ہمارے فلم سازوں کا فرض ہے کہ وہ تعلیمی مقاصد کے تحت بھی فلم تیار کریں

اور ان کی نمائش کا مدارس میں انتظام کیا جائے۔ اگر محکمہ تعلیمات اس خصوص
میں توجہ کرے تو بہت کچھ عمدہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ کاش خداوندان
فلم توجہ کریں! (مووی لینڈ فروری ۱۹۳۹ء)

فلموں کی زبان

ہندوستان کے وسیع ملک میں جس کا ہر ایک صوبہ ایک بڑے ملک کی حیثیت رکھتا ہے بیسیوں زبانیں بولی جاتی ہیں، یہی نہیں کہ ایک صوبہ میں ایک زبان بولی جاتی ہے بلکہ بعض صوبوں میں کئی کئی زبانیں مستعمل ہیں۔ مثلاً صوبہ بمبئی میں گجراتی، کچھی، کوکنی، مرہٹی اور اردو زبانیں مروج ہیں اور صوبہ مدراس میں تلنگی، کنڑی، تامل اور اردو وغیرہ زبانیں بولی جاتی ہیں، لیکن اگر ہندوستان کی کوئی مشترک زبان ہے، تو وہ صرف "اردو" ہے جس کو اب "ہندوستانی" سے موسوم کیا جا رہا ہے۔

ہماری ہندوستانی زبان تنہا مسلمانوں یا ہندوؤں کی زبان نہیں ہے" بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں، ہندوؤں، عیسائیوں اور پارسیوں وغیرہ سب کی مشترک زبان ہے، یہی زبان ہے جو نہ صرف ہندوستان میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک بولی جاتی ہے بلکہ ہندوستان کے باہر یورپ، افریقہ اور ایشیا کے دیگر حصوں، حجاز، عراق، ایران، افغانستان، جاپان، وغیرہ میں بھی اس زبان کے جاننے والے اور بولنے والے موجود ہیں۔

اس موقع پر بعض مشاہیر کے آرا: بھی قابل ملاحظہ ہیں جو ابھی حال میں ظاہر کئے گئے ہیں مثلاً منشی پیارے لال صاحب شاکر سابق اڈیٹر العصر نے "یوم اُردو" کے موقع پر فرمایا ہے :-

"ہندوستان کے کسی صوبہ میں چلے جائیے آپ کو اُردو شعراء ضرور ملیں گے۔ لیکن اس کے مقابل ہندی کا کوئی شاعر نہ ملے گا' اسی طرح ریل پر آپ ہندوستان کے کسی صوبہ اور کسی درجہ میں سفر کیجئے' ٹکٹ پر اس صوبہ کی زبان کے ساتھ اُردو زبان بھی لکھی ہوئی ملیگی ..... اسی طرح سکہ رائج الوقت پر دیکھ لیجئے۔ چونی' اٹھنی' روپیہ اور نوٹ سب پر آپ کو اُردو ملیگی درآں حالیکہ کے چونی پر کہیں ہندی لکھی ہوئی نہیں ہوتی' اس حقیقت سے بھی آپ یہ دیکھیں گے کہ حکومت خود جانتی ہے کہ ہندوستان کی زبان اُردو ہے"

اسی موقع پر راجہ نریندر ناتھ نے لاہور کے جلسہ میں بیان کیا ہے :-

"اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اُردو زبان ہندوستان کی مشترک اور عام زبان ہے"

غرض کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اردو زبان ہندوستان کی مشترک اور عام زبان ہے۔

اس کے بعد یہ امر غور طلب ہے کہ ہندوستان کے فلم جو خواہ بمبئی میں بنتے ہوں یا کلکتہ میں لاہور میں تیار ہوتے ہوں یا کولاپور اور پونہ میں وہ ہندوستان کے طول و عرض میں اس سرے سے

اس سرے تک بتائے جاتے ہیں، کسی ایک صوبہ سے مخصوص نہیں ہوتے، ایسی صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فلم کے لئے کونسی زبان زیادہ مفید ہے اور زیادہ سودمند ہوسکتی ہے،۔

اس سوال کا جواب یہی ہوگا کہ فلم اُردو یا ہندوستانی" زبان میں تیار ہونا چاہیئے تاکہ وہ ہر جگہ کارآمد ہوں اور ہر جگہ ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جاسکے،۔

لیکن بہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ فلم ساز کمپنیاں صرف ہندی کی ترویج کے لئے ہندی فلم زیادہ بناتے ہیں اور جو فلم" اُردو" کے نام سے تیار ہوتا ہے اس میں بھی خواہ مخواہ عام فہم اور مستعمل لفظ کے بجائے سنسکرت اور ہندی کے الفاظ ٹھوس دے جاتے ہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جو لفظ برسوں سے اُردو میں مُروج ہے اور عام طور پر مستعمل ہوگیا ہے صرف اس خیال سے کہ وہ عربی یا فارسی کا لفظ ہے اُس کو نکال کر ایک غیر مانوس ہندی یا سنسکرت لفظ رکھ دیا جائے۔

اس قسم کے ہندی یا سنسکرت الفاظ ٹھوس کر یہ خیال کرنا اس سے ہندی کی ترویج ہوگی ایک عبث خیال ہے۔ اس کے قطع نظر کہ ہندی کی ترویج ہو یا نہ ہو، مگر فلم سے جو اصلاح کا کام مقصود ہوتا ہے وہ الفاظ کے سمجھ میں نہ آنے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد اب یہ امر غور طلب ہے کہ" خدا و ندانِ فلم" ہندی کی ترویج کے لئے اُردو فلم میں بھی" ہندی" الفاظ ٹھونسنے سے باز نہیں آتے، اور اُنھوں

نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اُردو کے مقابل ہندی کی ترویج کی کوشش کریں گے تو ہر اس موقع پر اُردو کے ہمدردوں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس کے انسداد کی کیا تدبیر اختیار کریں گے۔ (رسالہ فلم)

فلم کمپنیوں کی ”ہندی نوازی“

اور مسلمانوں کی سرپرستی

یہ ایک حقیقت نفس الامر ہے کہ ہندوستان کی فلم کمپنیاں خواہ وہ بمبئی کی ہوں یا کلکتہ کی، کولاپور سے متعلق ہوں یا پونا اور لاہور سے انہوں نے اس امر کا فیصلہ کر لیا ہے کہ فلم کے ذریعہ "ہندی" کو رائج کیا جائے گا، اور "اردو" کے گلے پر چھری چلائی جائے گی۔ اس کلیہ کے تحت ہر فلم میں خواہ مخواہ سنسکرت کے الفاظ کی کثرت ہوتی ہے اور اردو کے مروجہ الفاظ بھی خارج کیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ بمبئی کی ایک جلیل القدر کمپنی کے ڈائرکٹر صاحب علانیہ اس امر کا اقرار کرتے ہیں "کہ ہماری یہ خواہش ہے کہ آپ اس قصہ کے تمام کیرکٹروں کو ہندو کر دیجئے اور اس کی اجازت دیجئے کہ ہم کسی کے ذریعہ سے اس میں سنسکرت کے کچھ الفاظ شامل کر دیں[۵۱]"

"ہندی" کی کثرت صرف فلم کی زبان اور مکالموں تک محدود نہیں ہوتی بلکہ جو گانے ہوتے ہیں ان میں بھی ہندی اور صرف ہندی کا رواج کر دیا گیا ہے اردو غزلیں وغیرہ سرے سے خارج کر دی گئی ہیں چنانچہ اگر

۵۱ - دیکھو مضمون فرحت اللہ بیگ رسالہ فلم جون ۱۹۳۹ء

صرف نیو تھیٹر کے فلم یہودی کی لڑکی جو زمانہ سابق میں تیار ہوا تھا اور دشمن
اناتھ آشرم وغیرہ فلموں کو دیکھا جائے تو صاف طور سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا
ہے کہ پہلے کس طرح اردو غزلیں بھی ہوتی تھیں اور اب ہندی گانے مختص
ہو گئے ہیں یہی نہیں کہ زبان اور گانوں کی حد تک ہندی کا رواج ہو رہا ہے
بلکہ جو تحریر فلم میں فلم کے نام اور اداکاروں کے نام وغیرہ کے متعلق ہوتی ہے
وہ بھی آپ کو انگریزی کے بعد اگر کوئی دوسری زبان کی تحریر نظر آئے گی تو
پہلے ہندی ناگری الفاظ میں ہوگی۔ اس کے بعد اردو۔

بہرحال یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ اس چار پانچ سال کے عرصہ
میں ہندی کے اس قدر کثرت سے الفاظ لوگوں کی زبان پر چڑھ گئے ہیں
کہ اس کا اندازہ مشکل سے کیا جا سکتا ہے۔

غضب ہے کہ جو فلم "اردو" کے نام سے موسوم ہوتے ہیں ان میں بھی
بیس فی صدی سے زیادہ الفاظ اردو نہیں ہوتے ہندی ہوتے ہیں
بلکہ ہندی کیوں ان کو سنسکرت کہنا چاہیئے۔

اس موقع پر یہ امر غور طلب ہے ہم فلم کمپنیوں کو اس کا الزام دیں یا پبلک
کو جو سینما دیکھ کر سرپرستی کرتی ہیں؟

میرے خیال میں فلم کمپنی والے قابل معافی ہیں کیونکہ انہوں نے کمپنی اپنے
سرمایہ سے قائم کی ہے اور وہ اس امر کے متمنی ہیں کہ ہندی کا رواج ہو جائے
ان کی یہ تمنا اور خواہش ہے کہ اردو کے بجائے ہندی کا بول بالا ہو جائے
قابل ملامت اور مورد الزام وہ پبلک ہے جو اپنی جیب سے اپنی محنت

کی کمائی خرچ کر کے ایسے فلم دیکھا کرتی اور فلم کمپنی کے ترقی کا موجب بنتی ہے
ہمارے یہاں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک فیصد بھی ایسا شخص نہیں ہے
جو اردو سے واقف نہو اور ہندی سے واقف بمشکل پانچ فیصد بھی نہیں
نکل سکتے ہیں لیکن ہندی فلموں کی سرپرستی کون کرتے ہیں؟ جن کی زبان
مادری اردو ہے بہ الفاظ دیگر مسلمان۔

اس موقع پر ہم مسلمانوں سے سوال کرتے ہیں کہ آپ کیوں ایسی فلم
کمپنیوں کی سرپرستی کرتے اور کیوں ان کے بنائے ہوئے کھیل دیکھا کرتے ہیں
جن سے ہندی کی ترویج ہو رہی ہے۔

ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر مسلمان جن کی مادری زبان اردو
ہے اگر وہ فلم دیکھنے سے باز آجائیں تو پھر یہی روپیہ کے غلام دولت کے
بندے فلم کمپنی والے ہندی کو لات مار کر اردو فلم بنایا کریں گے۔

یہ ظاہر ہے کہ کوئی کمپنی خواہ کسی سرمایہ سے قائم ہوئی ہو اس کا سرمایہ
بڑی سے بڑی مقدار میں کیوں نہ ہو وہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی
اور ترقی نہیں کرسکتی جب تک کہ اس کے بنائے ہوئے کھیل پبلک میں مقبول
نہ ہوں اور پبلک کی سرپرستی حاصل نہ ہو پبلک کی کمائی سے وہ فائدہ حاصل
کرتے ہیں بہرحال یہ پبلک ہی ہے جس کے ذریعہ فلم کمپنی والے ترقی کر
رہے ہیں اور یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اس قسم کی سرپرستی کرنے والے
اور فلم دیکھنے والے مسلمان زیادہ ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کو چاہیئے وہ اردو کی حمایت میں اس قسم کی سرپرستی چھوڑ دیں۔

اور "ہندی" کے رواج کو موقوف کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔

اگر مسلمان فلم کی سرپرستی نہ کریں گے اور فلم دیکھنا موقوف کردیں گے تو ظاہر ہے کمپنیوں کی آمدنی کم ہوجائے گی اور جب وہ اپنی آمدنی میں نقصان اور خسارہ دیکھیں گے تو فوراً اپنی ہندی نوازی سے باز آجائیں گے۔

مولوی مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ:۔

"میرے جو احباب زبان اردو پر لوٹ ہیں اور اس کو مٹتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتے ان کو سب سے پہلے ان "یار لوگوں" کو روکنا اور سمجھانا چاہیئے کہ بھائیو تم اپنی چھری سے خود اپنا گلا کاٹ رہے ہو ذرا کھنچ جاؤ تو ابھی یہ سینما والے ٹھیک ہوجاتے ہیں، یہ تو وہ لوگ ہیں کہ اگر اپنا ذرا سا نقصان ہوتے دیکھیں تو اور تو اور خود اپنے عزیزوں کا گلا گھونٹ دیں"۔ (رسالہ فلم)

یہ بالکل حقیقت ہے کیا مسلمان اس جانب متوجہ نہ ہوں گے (رسالہ فلم ۱۹۳۹ء)

فلم سے استفادہ کرنیوالے

عصر حاضر میں فلم نے جو اہمیت حاصل کرلی ہے وہ اظہر من الشمس ہے، اس سے مختلف طور سے استفادہ کیا جارہا ہے، یہاں اس کی مختصر صراحت درج کی جاتی ہے۔

استفادہ کرنے والوں کو اولاً دو اقسام میں تقسیم کرسکتے ہیں (۱) ایک تو روپیہ خرچ کرنے والے، (۲) اور دوسرے روپیہ پیدا کرنے والے،

پہلی قسم کے اصحاب تو وہ ہیں جو فلم دیکھا کرتے ہیں اور دوسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو فلم کے مالک یا حصہ دار ہیں، یا فلم میں کام کرتے ہیں یا فلم کی نمائش کرتے ہیں۔

فلم دیکھنے والوں کی بھی تقسیم کی جا سکتی ہے اور ان کو کئی گروہ میں منقسم کر سکتے ہیں، مثلاً

(۱) ان میں سب سے زیادہ تو وہ اصحاب ہوتے ہیں جو فلم کو صرف کھیل اور تفریح طبع کے لئے دیکھا کرتے ہیں، ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ کھیل سے کوئی سبق لیا جائے، کوئی بات سیکھی جائے، کوئی نصیحت حاصل کی جائے، یا معلومات اخذ کئے جائیں، یہ لوگ تو صرف وقت گزارنے یا دلچسپی اور تفریح کے لئے ہی فلم دیکھا کرتے ہیں۔

(۲) دوسرے وہ لوگ ہیں جو کسی ایک خاص مقصد کے تحت فلم دیکھا کرتے ہیں، مثلاً موسیقی کی خاطر، یا تصاویر کی خوبی، مناظر کی دلکشی، یا اداکاروں کی اداکاری وغیرہ۔

(۳) تیسرے وہ بوالہوس عاشق مزاج ہوتے ہیں جو کسی فلم ایکٹرس کی صورت اور اس کی اداکاری کی خاطر فلم دیکھا کرتے ہیں، ان کے لئے یہ ضرور نہیں کہ اداکاری عمدہ ہو، تصنع سے پاک اور اصلی نظر آئے بلکہ ان کا مقصد تو صرف ایکٹرس کی کسی ادا یا کسی ناز و انداز پر فریفتگی ہوتی ہے، ان کو خوبی اور عمدگی سے کچھ سروکار نہیں ہوتا ہے۔

(۴) چوتھے گروہ میں وہ لوگ شامل کئے جا سکتے ہیں جو پلاٹ کی

خوبی، اداکاروں کی اداکاری وغیرہ کے مدنظر فلم سے استفادہ کرتے ہیں۔

(۵) پانچویں وہ اصحاب ہیں جو فلم سے سبق حاصل کرنے، نصیحت لینے، یا فنی نکتہ نظر سے تنقید کرنے کے لئے فلم دیکھا کرتے ہیں۔

ہم اپنے شہر کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ مندرجہ صدر اشخاص میں مسلمانوں کا زیادہ حصہ ہوتا ہے، ان ہی کا روپیہ فلم کے دیکھنے میں زیادہ خرچ ہوتا ہے، ممکن ہے دوسرے شہروں میں بھی بلحاظ تعداد تناسب آبادی، مسلمان ہی زیادہ روپیہ خرچ کرتے ہوں۔

اس کے بعد اب دوسری جماعت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے۔ ان کو بھی چند اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں مثلاً

(۱) مالکان کمپنی یا حصہ داران کمپنی۔ (۲) کاروباری اصحاب۔ (۳) اداکاران۔ (۴) امدادی اشخاص۔ (۵) مالکان نمائش فلم

مالکان کمپنی یا حصہ داران کمپنی وہ لوگ ہیں جو اپنے نفع کی خاطر فلم کمپنی قائم کرتے ہیں، ان میں سے بڑے حصہ کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا مقصد وحید جلب منفعت ہوتا ہے، فلم سے اصلاحی کام لینا ان کا مقصد نہیں ہوتا، ظاہر ہے یہ صرف رقم کمانے کی فکر میں رہا کرتے ہیں اور اس کی دھن ان کے دامن گیر رہا کرتی ہے۔ ان کو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا کہ فلم سے ملک اور قوم کی اصلاح ہو رہی ہے یا نقصان اور تباہی، ان کو تو صرف اپنا جیب پُر کرنا آتا ہے، یا آتش ہوس کو سرد کرنا۔

جہاں تک میرے معلومات ہیں مسلمانوں کا حصہ اس گروہ میں بہت کم ہے اس لئے یہ توقع کرنا کہ مسلمانوں کی اصلاح اور مسلمانوں کے تاریخی فلم تیار ہوں گے عبث ہے۔

دوسری جماعت ان لوگوں کی ہے جو کاروباری اصحاب ہیں، یعنی ڈائرکٹر، فوٹو گرافر، موسیقی ڈائرکٹر، ڈرامہ نویس، مکالمہ نویس وغیرہ اگرچہ یہ اصحاب اکثر مالک کمپنی نہیں ہوتے مگر فلم کی تیاری ان کا ہی حصہ ہے، یہ کمپنیوں سے اپنی محنت کا معاوضہ لیا کرتے ہیں۔ فلم کا دارومدار ان ہی اصحاب پر ہوتا ہے، یہ امر ان ہی اصحاب کی صوابدید پر ہے کہ کون کہانی منتخب کی جائے، کونسے گانے رکھے جائیں، کس قسم کا پلاٹ مرتب ہو غرض کہ پوری ذمہ داری ان ہی لوگوں کے سر ہوتی ہے، ان میں بھی مسلمانوں کا حصہ کم ہے اور اگر ہے تو وہ محکوموں کی طرح مالکان کمپنی یا ڈائرکٹروں کے اثر میں ہوتے ہیں۔

ان لوگوں کی خواہش زیادہ یہ نظر آتی ہے کہ اردو کے خلاف ہندی کا بول بولا ہو اس لئے جا بے جا ہندی کے الفاظ رکھے جاتے ہیں اور اردو کے مروجہ الفاظ کو قصداً خارج کر کے ہندی کے نامانوس الفاظ رکھے جاتے ہیں، اور پھر عام طور سے موسیقی کو اردو غزلوں یا ٹھمری کے بجائے ہندی گیتوں سے پُر کیا جا رہا ہے، تاکہ اردو کا رواج کم ہوتا جائے اور اس کے بجائے ہندی مروج ہو جائے۔

اس جماعت سے یہ توقع رکھنا کہ اسلامی تاریخ یا مسلمانوں کی بھلائی

اور اصلاح کے لئے کوئی فلم تیار کیا جائے تو ہماری سخت غلطی اور عظیم الشان بھول ہے۔

اس کے بعد وہ اصحاب ہیں جو "اداکاری" کی حیثیت سے مامور ہوتے ہیں، کھیل کا بڑا دارومدار ان کے سر ہوتا ہے، کھیل کی عمدگی اور خوبی ان ہی اصحاب کا حصہ ہے۔

اس جماعت میں مسلمانوں کی تعداد کافی ہے مگر یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اکثر مسلمان اداکار اور اداکارہ اپنے اسلامی نام کے بجائے "غیر اسلامی" نام سے موسوم ہوتے ہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہو مالکانِ کمپنی یہ مناسب خیال نہیں کرتے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کی شہرت ہو یا کثرت آبادی کے لحاظ سے یہ امر پیش نظر ہو کہ پبلک غیر مسلم اداکاروں کو زیادہ مرغوب رکھتی ہے اور اس کی وجہ سے فلم کو عام طور سے پبلک میں مقبولیت ہوجائے۔

اس میں بڑا قصور مسلمانوں کا ہے وہ کیوں اپنے پیٹ کی خاطر اسلامی نام کی قربانی کرتے ہیں۔

چوتھی جماعت ان لوگوں کی ہے جو امدادی اصحاب کہلا سکتے ہیں جو کھیل میں بطور امداد کام کیا کرتے ہیں ان کے متعلق کسی صراحت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان غریبوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی دس بارہ روپیہ ان کی ماہوار ہوتی ہوگی اور اسی طرح ان کا کام بھی ہوتا ہے۔

آخری جماعت ان لوگوں کی ہے جو مختلف شہروں میں فلم کی نمائش

کے لئے ہال اور تھیٹر تعمیر کرتے یا کرایہ سے لیتے ہیں اور فلم کمپنیوں سے فلم کا اجارا ایک خاص مدت کے لئے معینہ رقم پر لیتے اور پبلک میں فلم کی نمائش کر کے رقم وصول کرتے ہیں، پبلک سے ہی ان کا زیادہ سابقہ رہا کرتا ہے۔ اور پبلک سے راست تعلق ان ہی اصحاب کا ہوتا ہے، اس زمرہ میں بھی مسلمان بہت کم نظر آتے ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہو سکتا ہے کہ فلم سے کس طرح استفادہ کیا جا رہا ہے کون حقیقی طور پر مستفید ہوتے ہیں اور کون نہیں؟

(رسالہ فلم ۱۹۳۹ء)

سینما بینی سے ہم کیا حاصل کر رہے ہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ سینما یا فلم نہ صرف دل بہلائی کے لئے ایک کھیل ہوتا ہے بلکہ سبق آموز شئے اور وسعت معلومات کا ذریعہ بھی ہے، اہل یورپ اس سے بلاشبہ فوائد حاصل کر رہے ہیں، وہ سینما سے نہ صرف تفریح طبع کا کام لیتے ہیں بلکہ معلومات کو وسیع کرنے، انکشافات کی تشہیر کرنے، خیالات اور ایجادات کو پھیلانے کے کام بھی اس سے لیتے ہیں، طلبہ کو اس کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے پبلک کے معلومات میں اضافہ کرتے ہیں، بچوں کو مستقبل کے خوش گوار بنانے کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔ غرض اہل یورپ سینما کے ذریعہ نہ صرف روپیہ کماتے ہیں بلکہ اس سے اخلاقی، علمی، اور تشہیری فوائد بھی حاصل کرتے ہیں۔

اس کے مقابل دیکھنا یہ ہے کہ ہم فلم دیکھ کر کیا کیا سیکھتے ہیں اور اس سے

کیا فوائد حاصل کر رہے ہیں جہاں تک میرا خیال ہے، ہم سینما سے کوئی اچھا سبق، عبرت آمیز نتیجہ، اور دل نشین بات نہیں سیکھتے بلکہ اس کے بجائے عموماً جو امور سینما کے ذریعہ ہم حاصل کر رہے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:-

(۱) سب سے پہلے جو چیز ہم سیکھ رہے ہیں وہ سینما بینی کا اشتیاق ہے ہم کو فلم کا شوق ہی نہیں بلکہ اس کی عادت ہو گئی ہے جس طرح چائے سگریٹ پان، افیون وغیرہ کی عادت ہو جاتی ہے اسی طرح اب سینما بینی کی عادت بھی ہوتی جا رہی ہے۔ عام طور سے لوگ اس امر کے عادی ہوتے جا رہے ہیں کہ کوئی کھیل خواہ کسی کمپنی کا ہو ضرور دیکھا جائے۔ بعض اصحاب روز سینما دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں اور اکثر اصحاب ایک ہی کھیل کو متعدد مرتبہ دیکھا کرتے ہیں، اس طرح مفلس ہندوستان کی بڑی دولت سینما کے نذر ہوتی جا رہی ہے اور اس کا بڑا حصہ مختلف ذریعوں سے یورپ والوں کی جیب میں جا رہا ہے۔

(۲) سینما بینی سے ہم میں فیشن پرستی کا جذبہ زیادہ ہوتا جا رہا ہے، عموماً نوجوان اور نوخیز طلبا و طالبات میں خصوصاً فلم ایکٹرسوں کے طفیل عورتوں میں فیشن کا زور ترقی کرتا جا رہا ہے۔

(۳) اہل یورپ کی عریاں لباسی اور برہنگی ہندوستانی فلم ایکٹرسوں میں زیادہ رواج پا رہی ہے، اور اُن کی تقلید میں عام طور سے ہندوستانی شریف گھروں میں اسی کا طریقہ عام ہوتا جا رہا ہے۔

(۴) عشق و عاشقی یا بہ الفاظ دیگر جھوٹی محبت کا چرچا زیادہ ہوتا جا رہا ہے،

اس میں مرد عورت کی تخصیص ہے اور نہ نوجوان اور ادھڑ کی ۔ اور یہ عشق نہ صرف فلم ایکٹرس کے ساتھ ہوتا ہے، بلکہ اس کی آگ اب عالمگیر ہوتی جا رہی ہے۔ اگر پہلے لیلیٰ مجنوں شیریں خسرو وغیرہ کی داستانیں تھیں تو اب ایسے بیسیوں افسانے مرتب ہو سکتے ہیں دو چار واقعات جن کا ہم کو علم ہے ان کی صراحت بے محل نہیں ہو سکتی۔ ان کے راوی معتبر ہیں اس لئے ان کو حقیقت قرار دینا ناگزیر ہے ۔

ایک بزرگ جو اچھے خاندان کے چشم و چراغ تھے عمر پچاس سے زیادہ تھی برسر روزگار تھے (۷۵) ماہوار تھی، محلہ کے چند نوجوانوں نے جناب کو سینما کا چسکا لگایا پہلے پہلے تو دوسروں کے پیسوں سے جاتے رہے اور جب اس کی عادت ہوگئی تو نصف ماہوار غائب ہونے لگی، اور پھر پوری ماہوار اسی شغل میں کام آنے لگی اور حضرت عاشق ہوئے کجن (جہاں آرا) کے کجن کا فوٹو جیب میں، نماز پڑھتے تو تصویر کو قمیص کی جیب سے علیحدہ کر دیتے، انتہا یہاں تک پہنچی کہ گریہ وزاری ہونے لگی، بیوی بچوں سے نفرت ہوگئی، نوبت بانیجا رسید کہ اسی تصور میں ایک طوائف سے تعلق پیدا کر لیا، محض اس خیال اور تصور میں کہ اس کی صورت کجن سے ملتی تھی، اور تقریباً دو تین سال اس عشق و فراق میں گزار کر راہی ملک بقا ہوئے ۔

ایک نوجوان قابل مگر مفلس طالب علم نے ایک نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ اعلیٰ گھرانے کی لڑکی پر اس کی علمی قابلیت اور عمدہ مضامین کے مدنظر اپنا دل دے دیا اور خط و کتابت کے ذریعہ اپنا عشق اور اپنی بیقراری کا اظہار کرنے لگے ۔ وہ خاتون چونکہ بڑی حد تک آزاد تھیں ان کے عشق کی آگ کو اپنے جوابات سے تیز سے تیز تر کرنے لگی ۔ نوجوان طالب علم کو امید ہو چلی کہ ان کا عشق بامراد ہوگا اور

اور معشوق کے شربتِ وصل سے جلد سیراب ہوں گے مگر جب اُن کے پاس شادی کا دعوت نامہ پہنچا اور اس امر سے با خبر ہوئے کہ ان کی معشوقہ کسی اور سے بیاہی جارہی ہیں تو پھر ان کو اپنی ناکامی کے رنج میں اپنی تعلیم کو خیرباد کرنے میں عافیت نظر آئی نہیں معلوم انجام کیا ہوا۔

ایک نوجوان بیوہ جو اچھی مضمون نگار اور افسانہ نویس ہیں ایک افسانہ نویس نوجوان سے خط و کتابت ہی میں اپنا دل دے بیٹھیں جب اس امر سے مطلع ہوئیں کہ وہ شادی شدہ ہیں تو ان کو جو مایوسی ہوئی اس کا اظہار جس خط کے ذریعہ کیا گیا تھا اس کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

"جب میں محسوس کرتی ہوں کہ تم شادی شدہ ہو اور تمہاری شریک حیات (خدا ان کو ہمیشہ زندہ وسلامت رکھے) بقیہ حیات ہیں تو ایک خاص قسم کی آتش رقابت جو صرف انسانی فطرت ہی کا حصہ ہے سینہ میں بھڑک اٹھتی ہے ...... ایک زمانہ تھا کہ میں بھی یہی چاہتی تھی کہ کوئی دوسری عورت میرے عزیز شوہر کی محبت میں شریک نہ ہو پھر کس طرح گوارہ کرلوں کہ خود کسی کی پریم نگری میں مداخلت بیجا کا ارتکاب کرلوں اس حقیقت کا علم تھوڑے عرصے سے ہوا ہے اور اسی لئے کسی قدر اجتناب سے کام لینا مناسب ہے لیکن اسے بے وفائی پر محمول نہ کرنا۔ میں نے بڑی محنت سے (کیونکہ میں کشیدہ کاری میں مہارت نہیں رکھتی) تمہارے لئے ایک رومال کاڑھا تھا۔ اور اسے عید کے موقع پر "نذر" کرنے کی آرزو مند تھی لیکن بجائے معطر کرنے کے اسے اپنے سوگوار آنسوؤں میں بسا لیا۔ بطور یادگار اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھوں گی .... مجھے امید ہے کہ تم برہم

نہیں ہوں گے' اور عورت ذات کو بے وفا نہیں کہو گے کیونکہ تمہاری نہ ہونے پر بھی میں تمہاری ہی ہوں' لیکن محض غائبانہ طور پر ؎

"مجھ میں تجھ میں ربط ہے گویا رنگ و بوئے گل
گو رہا آغوش میں لیکن گریزاں ہی رہا"

ایک اور نوجوان خاتون جو ایک کالج میں تعلیم پا رہی تھیں' ایک شاعر سے خط و کتابت کرتی ہوئیں' عاشق ہو گئیں۔ نہ انہوں نے یہ معلوم کرنے کی فکر کی کہ ان کے معشوق کی عمر کیا ہے' شادی شدہ ہیں یا مجرد' صاحب اولاد ہیں یا کیا' اپنی دانست میں انہوں نے فرض کر لیا ان کے معشوق نوجوان اور غیر شادی شدہ ہیں اپنی بیقراری اور حال دل کو انہوں نے جس طرح بیان کیا ہے وہ رقت انگیز ہے۔ اور اس امر کا ضرور افسوس ہوتا ہے کہ ان کا عشق کامیاب نہ ہو سکا۔ نہ معلوم غریب خاتون کا کیا انجام ہوا۔

بہرحال یہ اور اس قسم کے کئی واقعات ہیں جو میرے خیال میں سینما کے اثرات ہی کہے جا سکتے ہیں۔

(۵) سینما بینی کے باعث لڑائی جھگڑے اور اپنے دشمن سے بدلا لینے کے طریقے عام ہوتے جاتے ہیں۔ چوری اور قفل شکنی کے جرائم زیادہ ہوتے جا رہے ہیں لڑنے کے نئے نئے طریقے' قتل کرنے کے جدید اسلوب معلوم ہوتے ہیں' چنانچہ اس کے متعلق بھی ایک دو واقعات لکھے جاتے ہیں' جن کے راوی معتبر ہیں۔

ایک گاؤں میں دو اشخاص کی بڑی دشمنی تھی' ایک دوسرے کا جانی دشمن تھا۔ مگر قتل کرنے اور گرفتار ہونے سے خوف کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اضلاع کے سینما میں جو کھیل بتایا گیا اس میں ایک شخص نے اپنے دشمن کو [illegible]

سے دھکیل کر ہلاک کر دیا۔ اس سے واقف ہو کر وہ شخص موقع کا منتظر رہا اور جب ایک مرتبہ اس کا دشمن پہاڑ پر بکریاں چرا رہا تھا تو اس نے اس کو اوپر سے دھکیل دیا۔ اس طرح اس کی ہلاکت ہوگئی گو کہ قتل پوشیدہ نہ رہ سکا۔

ایک دوسرا واقعہ اسی طرح یہ ہوا کہ ایک شخص نے پہاڑ کے اوپر سے ایک بڑا پتھر لڑھکا کر اپنے دشمن کو جو پہاڑ کے دامن میں بے خبر سو رہا تھا ہلاک کر دیا۔ نوعمر لڑکوں کی چوری کے تو بیسوں واقعات ہیں!

بہر حال یہ سینما ہی کی وجہ ہے کہ قتل و خون کے نئے نئے طریقے معلوم ہوتے جا رہے ہیں۔ جن کو کسی صورت میں بھی مفید نہیں کہا جا سکتا۔

(۶) سینما کے باعث فلم ایکٹر اور فلم ایکٹرس بننے کا شوق بھی عام ہوتا جا رہا ہے اس شوق میں اس امر کو نظر انداز کیا جاتا ہے کہ ایکٹر اور ایکٹرس کی مشکلات کیا کیا ہیں اور موجودہ فضا کیا کسی شریف گھرانے کی خواتین کے لئے ایکٹرس بننے کے مفید ہو سکتی ہے، نہیں؟

(۷) سینما ہی کے طفیل "ہندی" کی ترویج عام و خاص میں ہونے لگی ہے، اگر ہم صرف حیدرآباد ہی پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ آج سے صرف پانچ سال پہلے یہاں ہندی الفاظ سے کوئی بھی واقف نہیں تھا مگر آج بیسیوں الفاظ لوگوں کی زبان پر چڑھ گئے ہیں۔ ہندی گانے مقبول ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ کھیل کے ریکارڈ بھی گرام فونوں کے لئے خریدے جاتے ہیں بہر حال صرف پانچ سال کی قلیل مدت میں ہندی کی جو ترویج ہوئی ہے وہ افسوسناک ہے۔

اب بحث یہ ہے کہ کیا یہ امور مفید کہے جاتے ہیں، اگر مفید نہیں ہیں تو پھر

ان کا انسداد کس طرح ہوسکتا ہے؟ ہمارے لیڈروں کو اس امر پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ سینما کو کس طرح مفید بنایا جائے۔ اور وہ کیا ذریعے ہوسکتے ہیں جن پر عمل کرنے سے ہم بھی اہل یورپ کی طرح سینما بینی سے فوائد حاصل کرسکیں۔

(رسالہ فلم ماہ مئی ۱۹۴۰ء)

حیدرآباد میں فلم سازی کی ضرورت

آج کل دنیا کے ہر گوشہ میں صنعت فلم کی گرم بازاری ہے، چونکہ سینما بینی کا شوق دن بدن ترقی کرتا جارہا ہے اس لئے اس کی مانگ بھی زیادہ ہوتی جارہی ہے، یورپ اور امریکہ کے قطع نظر خود ہندوستان میں اس صنعت کو کافی فروغ حاصل ہوچکا ہے کئی مقامات پر فلم تیار ہوتے ہیں خصوصاً کلکتہ اور بمبئی تو اس صنعت کے مرکز ہیں۔

یورپ، امریکہ اور جاپان میں ہر قسم کے فلم تیار کئے جاتے ہیں جس قدر عشقیہ فلم تیار ہوتے ہیں اسی قدر علمی تحقیقات، معاشرت کی سدھار، تعلیم کی ترویج، گزشتہ تاریخی عظمت و شوکت کا درس دینے والے فلم بھی بنتے ہیں جو ایک طرف تفریح طبع کا سامان فراہم کرتے ہیں تو دوسری طرف تاریخ، تمدن تہذیب و معاشرت، معلومات جدیدہ کے سائنٹفک تحقیقات سب کچھ اس کے ذریعہ منظر عام پر پیش کئے جاتے ہیں، اور پبلک ان سے استفادہ کرتی ہے۔

یہ انسانی فطرت، اور انسانی نفسیات کا خاصہ ہے کہ کتابوں کے پڑھنے [illegible]وں کے سننے سے اس قدر جلد اثر نہیں ہوسکتا۔ جس قدر کہ

عملاً ہم پہنچ اور پردہ پر کسی واقعہ کو دیکھ کر ہو سکتا ہے، اس لحاظ سے فلم کے ذریعہ نہ صرف تعلیم یافتہ اشخاص ہی مستفید ہوتے ہیں بلکہ اس کے ذریعہ بچوں اور ناخواندہ بالغوں کو بھی خواندگی حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ جاپانی مدارس میں تاریخ جغرافیہ وغیرہ کی تعلیم بجائے کتابوں کے فلم کے ذریعہ دی جاتی ہے۔

ہندوستان میں جس قدر فلم اب تک تیار ہوئے ہیں ان میں بڑا حصہ عشقیہ فلموں کا رہا ہے، اصلاح معاشرت، تاریخ تعلیم وغیرہ کے متعلق جو فلم بنے ہیں وہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ہندوستانی فلم کمپنیوں سے جو محض کاروباری نقطہ نظر سے فلم بناتے ہیں یہ توقع رکھنا کہ وہ ہماری ضروریات کے لحاظ سے فلم تیار کریں گی عبث ہے ضرورت ہے کہ حیدرآباد میں اس صنعت کو رواج دیا جائے تاکہ حقیقی معنی میں فلموں سے تعلیمی و اصلاحی کام لیا جائے۔

حیدرآباد میں فلم کی صنعت کے لئے مختلف آسانیاں موجود ہیں اور مختلف وجوہ سے اس صنعت کو رواج دینے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے یہاں ان کی مختصر وضاحت کر دینا نامناسب نہیں۔

اولاً ہم ان امور کو بیان کرتے ہیں جو فلم سازی کے معاون ہو سکتے ہیں۔

(۱) ہمارے یہاں جدید خوشنما عمارتوں اور قدیم تاریخی یادگاروں کی کمی نہیں ہے، جس کے باعث بیرونی مناظر کی فلمبندی میں بہت بڑی آسانی ہے۔

(۲) دلکش قدرتی مناظر اور مصنوعی خوشنما نظاروں جنگلوں پہاڑوں کے میدانوں، تالابوں سے ہمارا ملک بھرا پڑا ہے۔

(۳) تاریخی اور جنگی فلم کے لئے قدیم اور جدید طرز کے فوج اور باجوں کے ملنے میں دشواری نہیں ہوگی۔ ہاتھی، گھوڑے، اونٹ سب آسانی سے فراہم ہوسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بمبئی پونہ وغیرہ کی اکثر فلمساز کمپنیاں یہاں آکر اس سے استفادہ کرتی ہیں۔

(۴) امدادی اشخاص نہایت آسانی اور کم اجرت پر دستیاب ہوسکتے ہیں

(۵) عمدہ سے عمدہ ڈرامے لکھے جاسکتے ہیں اور لکھوائے جاسکتے ہیں

(۶) سرمایہ فراہم ہوسکتا ہے، اس کے لئے زیادہ دشواری لاحق نہیں ہوگی۔

(۷) ہمارے فلموں کے لئے بازار کے فراہم ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کے فضل سے ممالک محروسہ کے پندرہ اضلاع اور بلدہ فرخندہ بنیاد میں وسیع آبادی سے فلم کے اخراجات وصول ہوجا سکتے ہیں۔

اس کے بعد ہم ان چند امور کو بیان کرتے ہیں جن کے باعث یہاں فلم تیار کرنے کی سخت ضرورت ہے ۔

(الف) ہندوستانی فلم کمپنیوں نے اس امر کا تہیہ کرلیا ہے کہ وہ ہندو کلچر کو زندہ کریں گے اور اسلامی تمدن کو نیست و نابود کرنے کی پوری سعی کریں گے ۔

(ب) اسلامی تاریخ کو پس پشت ڈالنا ضروری خیال کیا جارہا ہے۔

(ج) اردو کے خلاف "ہندی" کی ترویج کے لئے کوشش بلیغ ہورہی ہے

(د) تعلیمی اور اخلاقی فلم نہیں بنائے جارہے ہیں

(ہ) موسیقی میں اردو کے بجائے "ہندی" کو رائج کیا جارہا ہے ۔

یہ تمام ایسے امور ہیں جن کے لحاظ سے ہمارے یہاں فلم بنانے کی سخت ضرورت ہے پبلک سے یہ توقع کرنا کہ وہ موجودہ فلموں کو نہ دیکھے نہایت دشوار ہے، اس لئے یہ امر زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فلم بنائے جائیں۔

اگرچہ اب تک ایک دو مرتبہ اس امر کی کوشش کی گئی ہے مگر غالباً ناتجربہ کار اصحاب نے اس کی کوشش کی تھی اس لئے کامیابی نہیں ہوئی۔ اگر تجربہ کار اصحاب میدان عمل میں قدم رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی نہ ہو۔

(موومی لینڈ ۱۹۳۶ء)

فلم مہابھارت پر ایک سرسری نظر

ساگر موویٹون کمپنی کا ناطق فلم "مہابھارت" ہے جس کے ہیرو اور ایکٹرس مس زبیدہ اور جال مرچنٹ ہیں۔ مس زبیدہ نے درو پدی کا کام کیا ہے۔

عموماً ناطق فلم یعنی ٹاکی میں چار چیزیں خاص طور پر قابل غور ہوتی ہیں۔ (۱) کھیل کا پلاٹ (۲) ایکٹروں کا کام (۳) سین سینری (۴) زبان اور گانے

مہابھارت مشہور تاریخی پلاٹ ہے۔ یہ وہی قصہ ہے جس سے تاریخ ہند کا پڑھنے والا بچہ بھی بخوبی واقف ہوتا ہے۔ جس میں کوروں اور پانڈوں کے مشہور واقعات، دروپدی کا سوئمبر میں حاصل کیا جانا اور پانچوں بھائیوں کی بیوی بن کر رہنا اور پھر جوا کھیل کر اپنی سلطنت اور دروپدی کو کھو بیٹھنا وغیرہ مذکور ہے۔ ان مشہور واقعات کے مد نظر فلم کے پلاٹ کے متعلق مزید کسی توضیحات کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری شئے ایکٹروں اور ایکٹریسوں کا کام ہے کہ آیا انہوں نے اس کو خوبی سے انجام دیا ہے یا نہیں؟ اس میں شک نہیں کہ اس فلم کے تقریباً سب کام کرنے والے خاصی مہارت رکھتے ہیں خصوصاً جال مرچنٹ اور زبیدہ کا پارٹ کامیابی سے ادا کیا گیا ہے۔ میں ہندوستانی ایکٹریسوں میں مس زبیدہ کو اپنے فن میں ہر لحاظ سے اس قابل تصور کرتا ہوں کہ فلم ایکٹرس کے لیئے موزوں کہی جائیں۔ ناطق فلم کی ایک کامیاب ایکٹرس میں جو اوصاف ہونے چاہئیں وہ یہ ہیں: جسم کی موزونیت کام میں شوخی اور بے حجابی۔ زبان کی صفائی اور موسیقی کی مہارت ۔

یورپ میں کسی ایکٹرس کی صورت و شکل سے زیادہ جسم کی موزونی اور گدازی کو اہمیت دیجاتی ہے۔ ملازمت کے وقت خصوصیت سے لڑکیوں کے جسم کا مقابلہ کیا جاتا ہے ۔ بلحاظ موزونی گدازی انتخاب ہوتا ہے اس کے ساتھ اگر چہرہ کے لحاظ سے خوبصورت ہو تو سونے پر سہاگہ ہوجاتا ہے۔ اس حیثیت سے ہندوستانی ایکٹریسوں میں مس زبیدہ بہت ممتاز ہے ایکٹرس کی دوسری صفت بے حجابی ہے' اس کو عشق و محبت کے موقع پر بے حجابانہ اپنے عشق و محبت کے جذبات ظاہر کرنے چاہئیں۔ خوشی اور غم کے موقع پر بھی اپنے جذبات کے اظہار میں حجاب نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر ایکٹر یا ایکٹرس کو حجاب آجائے تو ان کا کام ناقص رہ جاتا ہے۔ اس حیثیت سے بھی زبیدہ کو کامیاب کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جہاں جہاں رت کی فلم میں جہاں تک اظہار جذبات کا تعلق ہے زبیدہ کا کام بالکل بے عیب ہے ۔

ناطق فلم کی ایکٹرس کے لئے آج کل موسیقی کی مہارت بھی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے جو ایکٹرس گانے سے واقف نہ ہو وہ کامیاب نہیں ہوسکتی چنانچہ مس انجن اور مس ممتاز اس لحاظ سے بہترین ایکٹرس قرار دی جاسکتی ہیں۔ اگرچہ فلم مہابھارت میں دیگر ہندوستانی فلموں کی طرح گانے نہیں ہیں پھر بھی مس زبیدہ موسیقی دانی میں کسی سے کم نہیں معلوم ہوتیں۔ اس فلم کے ایک سین میں گانا نہایت بے موقع اور بے محل ہے۔ ہندوستانی فلموں میں بے محل گانوں کی کثرت ان کو ناقص کردیتی ہے۔

کامیابی کے لئے چوتھی شرط زبان کی صفائی ہے جو فلم جس زبان میں ہو اس کے ایکٹروں اور ایکٹریسوں کا اس زبان سے اچھی طرح واقف ہونا ضروری ہے۔ ورنہ فلم کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح ایک فلم "شکاری" کے نام سے تیار کی گئی ہے۔ اس میں سیتا دیوی کی زبان قابل اعتراض ہے۔ "مہابھارت" کی فلم اردو نہیں بلکہ ہندی ہے۔ مس زبیدہ اپنی زبان سے ہندی بہت صاف ادا کرتی ہے اس لئے وہ اس حیثیت سے بھی کامیاب ہے۔

فلم کا آخری لازمہ سازوسامان ہے جو واقعہ جس زمانہ سے متعلق ہو اُسی زمانہ کا طرز تمدن اور معاشرت اس میں دکھلائے جانے چاہئیں مکانات باغات ان کی آرائش وزیبائش سازوسامان تعمیرات اثاثہ لباس لوگوں کے طور طریقے غرض ہر شئے سے اس زمانہ کی اصلیت واضح ہونی چاہیئے۔
فلم مہابھارت کو اس حیثیت سے کامیاب فلم نہیں کیا جاسکتا اس کے قصر ایوان سازوسامان باغوں کی آراستگی غرض کوئی شئے بھی ایسی نہیں ہے۔

جس کو ہندوستان کے زمانے سے نسبت دی جا سکے۔ بلکہ اس میں غلبہ طرز و تمدن کو غلبہ حاصل ہو گیا ہے۔ ہندوستان کا جو تمدن تزک بابری کے بعد قائم ہوا ہے اس کے لحاظ سے ہم اس فلم کے تمدن کو ہندوستان کا تمدن نہیں قرار دے سکتے۔ غرض اس لحاظ سے یہ فلم قابلِ اعتراض ہے اور یہ بہت بڑی خامی ہے

("ہفتہ روزہ دہلی ۱۹۳۲ء")

فلم ۳۰۰ دن بعد میری نظر میں

گزشتہ چار ماہ تک فلم "۳۰۰ دن بعد" کی حیدرآباد میں نمائش ہوتی رہی اور نمائش کنندگان کی جانب سے اس پر سب سے بہتر تعریفی مضمون کے لئے انعام کا اعلان کیا گیا تھا جس کی وجہ سے حیدرآباد کے اکثر نوجوانوں نے مضامین لکھے جن میں سے چند مقامی اخبارات میں بھی شائع ہوئے مگر ان میں صرف ایک ہی رخ پر روشنی ڈالی گئی تھی اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ میں اس پر اپنے بے لاگ خیالات کا اظہار کروں۔

"۳۰۰ دن بعد" ساگر موویٹون کا تیار کردہ فلم ہے افسانہ کا تخیل یہ ہے کہ دولت مند افراد جو بغیر ذاتی محنت اور کوشش کے لاکھوں کی جائیداد کے مالک بن جاتے ہیں، اپنی عیش پرستی میں اس درجہ منہمک رہتے ہیں کہ ان کو غریبوں کی تکالیف کا کوئی احساس ہی نہیں ہوتا۔ اور ان کے نزدیک کوئی پیشہ اختیار کرنا شانِ امارت کے خلاف ہوتا ہے۔ دیگر ایسے کاروباری اشخاص جو اپنے پیشہ یا کاروبار میں اس درجہ منہمک ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنے

دوسرے فرائض زندگی کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں، اور ان کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ ان پر کسی اور ہستی کے فرائض کی ذمہ داری بھی عاید ہے۔ اس قسم کے لوگ یا تو سرے سے اپنے رفیق کے جذبات لطیف سے بے خبر ہوتے ہیں۔ یا پھر بازاری حسن کے پرستار بن کر اپنے شریک حیات سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ اسی قماش کے لوگوں کی زندگی کو اس افسانہ کے ذریعہ بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

لیکن افسانہ کے کردار عملی دنیا کی بجائے خیالی دنیا کے معلوم ہوتے ہیں جس سے افسانہ کی خوبی میں کسر پیدا ہو گئی ہے۔ اگر کردار کو افسانوی حیثیت نہ دی جاتی تو بہت ممکن تھا کہ قلم کے تاثرات افسانہ کو اصلیت سے قریب تر کر دیتے

افسانہ کا خلاصہ یہ ہے۔ سدھیر ایک دولتمند نوجوان شراب نوشی اور عیاشی میں گرفتار رہتا ہے۔ معدہ کی خرابی کی وجہ اس کی صحت درست نہیں رہتی وہ اپنے علاج کی غرض سے ایک ڈاکٹر کے پاس رجوع ہوتا ہے۔ مگر ڈاکٹر اس کا علاج کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور اس کو محنت مشقت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ڈاکٹر کی طنز آمیز گفتگو سے متاثر ہو کر سدھیر ڈاکٹر سے شرط باندھتا اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ اپنی دولت سے استفادہ کئے بغیر ۳۰ دن تک اپنی قوت بازو سے روزی حاصل کرے گا۔ چنانچہ وہ گھر سے تنہا نکل جاتا ہے۔ اور مختلف قسم کی محنت مزدوری سے زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ کبھی تو وہ صابن فیاکٹری کا ایجنٹ نظر آتا ہے۔ اور کبھی ترکاری فروش کبھی اصلاح سازی کا پیشہ اختیار کرتا ہے کبھی ٹرام کی ٹکٹ کلکری

اور آخر کار موٹر ڈرائیور بن جاتا ہے۔ وہ خفیہ طور پر صابن فیاکٹری کو اپنے ذاتی روپیہ سے مدد کر کے کمپنی کو فروغ دیتا ہے۔ اور کارخانہ کو تباہی سے بچا لیتا ہے۔ اور اسی فیاکٹری کی لیڈی ٹائپسٹ کے تیر نظر کا بسمل ہو جاتا ہے۔ اس دوران میں ایک ضعیف ترکاری فروش کی مادرانہ محبت سے بھی اس کو بہرہ اندوز ہونیکا موقع ملتا ہے۔ اس طرح "۳۰ دن" تک اپنی دولت سے استفادہ کئے بغیر روزی پیدا کرتا ہے۔ محنت اور مشقت کے بعد اسکی صحت اچھی ہو جاتی ہے اور وہ خوب سیر ہو کر کھانے لگتا ہے۔ ۳۰ دن کی مدت ختم ہو جانے پر ڈاکٹر سے ملاقات کرتا اور شرط جیتنے کے باوجود ایک بڑی رقم غریبوں کی امداد کیلئے عطیہ دیتا ہے لیڈی ٹائپسٹ کو اپنا شریک حیات بنا لیتا ہے اور ترکاری فروش ضعیفہ کو بھی اپنے مکان میں عزت کے ساتھ ماں کی حیثیت سے رکھتا ہے۔"

بظاہر یہ ایک معمولی افسانہ معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں کئی اصلاحی مقاصد ایک جگہ جمع کر دئے گئے ہیں۔ اور ان سب کو نہایت صفائی اور عمدگی سے باہم پیوست کیا گیا ہے۔ ہماری روزمرہ زندگی کے کئی پہلو اس فلم میں پیش کئے گئے ہیں۔ جو پہلو اس فلم میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اور جن کو اجاگر کرنا کھیل کا خاص مقصد ہے وہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ انسان کو محنت اور مشقت کا عادی ہونا چاہیئے اور اپنا کام آپ کرنے کی عادت ڈالنی چاہیئے اس کے باعث صحت انسانی بحال و برقرار رہتی ہے۔

۲۔ استقلال اور محنت سے مشکل و دشوار کام بھی سہل و آسان ہو سکتے ہیں۔

۳۔ مالدار اشخاص کو غریبوں اور مفلسوں کی زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

۴ ۔ شراب نوشی کے نقصانات ۔

۵ ۔ مالدار اور عیاش لوگوں کو اپنی بے مقصد زندگی سے جن جن نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔

۶ ۔ طوائفوں اور ان سے متعلقین کی گھناونی زندگی ۔

۷ ۔ نوجوان سیدھی سادی عورت اپنے شوہر کی بے التفاتی اور عیاشی کے باعث کس طرح آوارگی کی طرف مائل ہو جاتی ہے ۔

۸ ۔ شریف عورت مفلس ہونے کے باوجود نفس پرور مالداروں کی ہوس رانی سے کس طرح بچ سکتی ہے ۔

۹ ۔ عورتوں کی زندگی میں صفائی اور پاکیزگی کو جزو لاینفک ہونا چاہیئے ۔

۱۰ ۔ مالدار اشخاص کی معاشرت اور طریقہ زندگی ۔

۱۱ ۔ اصلی اور حقیقی محبت کے جذبات و محسوسات ۔

۱۲ ۔ تجارت کو فروغ دینے کے طریقے ۔

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو سکتا ہے کہ اس فلم میں ہماری معاشرت کے کتنے اہم اور ضروری پہلو ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں یہ حقیقت ہے کہ معاشرت کے اتنے کثیر پہلوؤں کو نمایاں کرنا اور پھر ان کو دلچسپ و دلکش طریقے سے پیش کرنا اس فلم کی ایک ممتاز خصوصیت ہے ۔

فلم کے اہم کردار ہوتی لعل ، یعقوب ، ببیتا دیوی اور بوتی نے بحسن خوبی انجام دئے ہیں ان خوبیوں کے ساتھ فلم میں چند نقائص بھی ہیں جن کی صراحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے ۔

۱ ۔ سدھیر نے ڈاکٹر کو قتل کرتے وقت اپنی شخصیت جس انداز میں ظاہر کی

ہے اس کے مدنظر یہ ناممکن ہے کہ وہ "۳۰۰ دن" اپنے ہی شہر میں صورت شکل بدلے بغیر اپنے حلقہ احباب سے پوشیدہ رہ سکے۔

۲۔ ایک تعلیم یافتہ شخص کے لئے دس ماہ کے اندر سیل من اصلاح ساز، پالش ساز، اخبار فروش، بس کنڈکٹر، موٹر ڈرائیور کے پیشہ اختیار کرنا عملاً محال ہے۔

۳۔ سدھیر جیب رو اسکے ساتھ اپنے مکان کو پہنچتا ہے تو اس وقت دربان کے سوا کوئی نظر نہیں آتا تعجب انگیز ہے۔

۴۔ دس ماہ کی قلیل مدت میں سدھیر کے ملازمین کا اس کو بھول جانا اور نہ پہچانتا درست نہیں ہو سکتا۔

۵۔ بس کنڈکٹر کا اپنے انسپکٹر کو اپنے فرائض کے انجام دیتے وقت اس کی حیثیت اور انجام کو پیش نظر رکھے بغیر جیب رسید کرنا مضحکہ خیز ہے۔

۶۔ شاردا کا اپنی بیمار بہن کو آیا کے حوالہ کرکے سدھیر کیساتھ جانا اور پھر ڈاکٹر کو گھر پر بلانے کی بجائے سدھیر کے ایماء پر سدھیر کے مکان کو چلی جانا اصول نفسیات کے سراسر خلاف ہے موقع کی نزاکت کے لحاظ سے یہ کام خود سدھیر انجام دے سکتا تھا۔

۷۔ مشرقی عورت ابھی تک اس قدر بے حجاب نہیں ہوئی جس کا مظاہرہ مغربی اور امریکن فلموں میں کیا جاتا ہے سیٹھ لکشمی داس کی بیوی جس طریقہ پر اپنے شوہر کے گلہ میں شاہ راہ عام پر چلتی ہوئی موٹر میں باہیں ڈالتی ہے اور بعد میں ندی کے کنارے جس قسم کی مراعات اپنے شوہر کو دینے پر آمادہ نظر آتی ہے وہ ہندوستان کی نسوانی تہذیب کی سخت توہین ہے کسی سیٹھ صاحب کی بیوی کا شاعرانہ انداز میں جذبات شوق کا اظہار حقیقت سے بعید ہے۔

۸۔ سیٹھ لکشمی داس کی بیوی کا فوٹو حاصل کرنے کے لئے شاردا دہنی ہاتھ

بدمعاش کیساتھ شراب نوشی میں شریک ہوتی ہے تو ایک گلاس بھی نہیں پیتی تمام شراب گلدان میں ڈال دیتی ہے جب صرف دو اشخاص شراب نوشی کرتے ہوں تو ایک کا ہر مرتبہ نظر بچا کر اپنا گلاس گلدان میں خالی کرنا اصلیت سے دور ہے

۹۔ شاردا جیسی شریف لڑکی کا سیٹھ لکشمی داس کی بیوی کو تعلیم دیتے وقت طوائف اور استاد جی نظر باز بدمعاش وغیرہ کے عادات کردار حرکات وسکنات کی ہو بہو نقل کرنا اصول نفسیات کے خلاف ہے اس منظر کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ شاردا طوائفوں عیاشوں استاد جی اور نظر باز بدمعاش کا ذاتی تجربہ رکھتی ہے۔ اور ان پیشوں سے سابقہ پڑ چکا ہے اگر یہ مان لیا جائے تو اس کے کردار پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔

۱۰۔ ڈاکٹر کا کردار عملی دنیا میں موجود نہیں ہے۔

خیالی دنیا کی پیروی کے قطع نظر اس کھیل میں دوسری خامیاں ایسی موجود ہیں جو کھیل کی خوبی کو متاثر کر دیتی ہیں مثلاً رات کے مناظر پیش کرتے وقت ہر موقع پر اس کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ بھی بعض اور معمولی نقائص ہیں لیکن بحیثیت مجموعی کھیل کے دیگر پہلو قابل گرفت نہیں ہے۔ اداکاری تصنع سے پاک ہے اصلیت کو ظاہر کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ جذبات و احساسات کو اچھی طرح نمایاں کرنے میں تمام اداکاروں نے پوری سعی کی ہے خصوصاً سبیتا دیوی اور موتی کی اداکاری قابل تعریف اور لائق ستائش ہے سنڈے اسٹینڈرڈ کے الفاظ کے بموجب آخر کار سبیتا دیوی کو اپنی خداداد قابلیت کے اظہار کا موقع مل گیا ہے اس فلم میں وہ اپنی تمام آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے"

(مووی لینڈ نمبر ۳ ۱۹۳ء)

"پکار" پر
ایک طائرانہ نظر

میں نے اپنے ایک مضمون :۔ ہندوستان کو کس قسم کے فلموں کی ضرورت ہے جو "مودی لینڈ" میں شائع ہوا تھا تاریخی فلم کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے اختتام پر لکھا ہے "ضرورت ہے کہ ہمارے بادشاہوں کے کارناموں کو فلم میں نمایاں کیا جائے تاکہ ہماری قوم کے نونہال اسلاف کے نقش قدم پر چلیں اور ان پہ ظاہر ہو جائے کہ صدیوں ہندو اور مسلمانوں نے بھائی بھائی بن کر اس دیش کی خدمت کی ہے' رواداری' عدل اور انصاف ہماری حکومتوں کا آئین جہاں بانی اور طریقہ حکمرانی رہا ہے" اسی مضمون میں یہ بھی صراحت کی گئی تھی۔ "جہانگیر کا عدل و انصاف ایک تاریخی حقیقت ہے' ایک مقتول کے خون کے بدلے میں محبوب اور جان سے زیادہ عزیز ملکہ نور جہاں پر قصاص کا حکم نافذ کر دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے کیا کسی فلم میں جہانگیر کے ان اعلیٰ کارناموں کو پیش کیا گیا ہے؟

اب مجھے "پکار" دیکھ کر بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ گو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس مضمون کے باعث یہ فلم تیار ہوا ہے۔ تاہم ہمارے خیالات کی ایک تعبیر "پکار" میں نظر آ رہی ہے اس لئے یہ مسرت ناواجبی نہیں ہو سکتی۔

اس موقع پر اگر میں اپنے خیالات ظاہر کر دوں تو نامناسب نہ ہوگا۔

اس امر کا خیال رہے کہ میں کوئی ناقد نہیں ہوں۔

(۱) فلم میں زبان کا مسئلہ نہایت اہم ہے لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کل ہندوستان کی فلم کمپنیوں نے مستحکم ارادہ کر لیا ہے کہ وہ فلم کی زبان "ہندی" کر دیں گے، چنانچہ ایسا کوئی فلم نظر نہیں آتا جس میں ہندی الفاظ کی کثرت نہ ہو اور اردو کے عام فہم اور مروج الفاظ پر بھی چھری چلا کر ان کے بجائے غیر مروج اور نامانوس سنسکرت کے الفاظ کی ترویج نہ ہو رہی ہو،

لیکن "پکار" کی زبان اردو اور بلیغ اردو ہے یہ وہ اردو ہے جو ہندوستان میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک بولی اور سمجھی جاتی ہے "پکار" میں ایسی زبان کا استعمال نہیں ہوا ہے جو نام نہاد اردو ہو اور جس کے جاننے والے دس فیصدی بھی نہیں ہوتے۔

گو یہ صحیح ہے کہ "پکار" میں بھی "ہندی" الفاظ موجود ہیں لیکن موقع کے لحاظ سے ان کا ہونا ضروری تھا۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے ان الفاظ سے اصلیت کا ہونا پایا جاتا ہے کیونکہ جو ہندی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ راجپوتوں کی زبان سے ہیں۔ اس لئے ان کا برمحل استعمال ہوا ہے۔ اگر ان کی زبان سے اس قسم کے ہندی الفاظ نہ بولے جاتے تو کھیل کی اصلیت میں فرق آجاتا۔ بہرحال زبان کی حیثیت سے یہ فلم نہایت کامیاب ہے اور دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ پکار اردو زبان کا فلم ہے۔

(۲) زبان کے بعد تمدن و تہذیب اور معاشرت پر نظر ڈالی جانی چاہیئے "پکار" میں جو تمدن اور طرز معاشرت پیش کیا گیا ہے وہ اصلیت کا حامل نظر آتا

ہے اس کے دیکھنے سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کھیل مغلیہ دور سے
تعلق رکھتا ہے پکار کو دیکھ کر کوئی شخص حرف گیری نہیں کر سکتا کہ کھیل جس
زمانہ سے تعلق رکھتا ہے اس زمانہ کا تمدن پیش نہیں کیا گیا۔
پکار کے اداکاروں کا لباس، ان کی معاشرت ان کا طریقہ زندگی
آداب دربار شاہی وقار غرض ہر چیز اصلیت رکھتی ہوئی نظر آتی ہے اور
پکار کو دیکھ کر ہر شخص تصور کر سکتا ہے کہ مغلیہ دور کی تصویر سامنے آ رہی ہے
ممکن ہے بعض اصحاب اعتراض کریں کہ منگل سنگھ کی معشوقہ نے جس وقت
منگل سنگھ کی تصویر کو اپنے لباس میں سینے کے پاس رکھی تھی اس وقت جو
لباس زیب تن تھا اس کا اوپر کا حصہ کھلا ہوا تھا اور آج کل کے یورپین
لباس کی طرح سینہ عریاں تھا۔
بے شک سینہ عریاں تھا لیکن مغلیہ آرٹ کے جاننے والے اس سے
بخوبی آگاہ ہیں کہ اس زمانہ میں ایسا لباس رائج تھا جس میں بعض مرتبہ سینہ
کا اوپر کا حصہ لباس سے آزاد رہا کرتا تھا۔
فلم کے لئے یہ ضروری ہے کہ کھیل میں طرز معاشرت اور تمدن کا خاص
لحاظ رکھا جائے خصوصاً تاریخی فلم میں تو اس کی بڑی ضرورت ہے ورنہ اصلیت
میں فرق آ جاتا ہے" پکار میں چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اور
ہر لحاظ سے اس کو مغلیہ دور کا نمونہ ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے
اور پوری کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

(۳) اس کے بعد اگر ہم اداکاروں کی اداکاری پر غور کریں تو معلوم

ہوگا کہ ہر فرد نے عمدگی اور کامیابی سے اپنے کردار کو پیش کیا ہے خواہ اداکار ہو یا اداکارہ ہر ایک نے اس امر کی پوری جد و جہد کی ہے کہ اپنے معوضہ کام نہایت سلیقہ سے پیش کرے میرے خیال میں کوئی شخص بھی اداکاروں کی اداکاری پر حرف گیری نہیں کرسکتا۔

اس موقع پر اگر میں خاص طور پر بعض اشخاص کا تذکرہ کرتا تو بے محل نہ ہوتا مگر عمداً اور قصداً میں اس کو نظر انداز کرتا ہوں اس کے بجائے صرف اس پر اکتفا کافی ہے کہ ہر اداکار اور اداکارہ مبارک باد کے قابل ہے کہ اس نے کامیاب اداکاری کے جوہر پیش کئے ہیں۔

(۴) "فلم" پر بحث کرتے وقت کھیل کے پلاٹ کا تذکرہ نہایت ضروری ہے "پکار" تاریخی فلم ہے اس کا پلاٹ اگر غلط مرتب ہو تو پھر پورا فلم برباد ہو جاتا ہے۔ لیکن پکار میں جس طرح آخری سین جہانگیر کا فیصلہ جو خود کو قصاص میں پیش کیا گیا ہے تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں ہے لیکن اس تھوڑی تبدیلی سے پکار میں ایک خاص بات پیدا ہوگئی ہے۔

(۵) ہندوستانی فلم پر کچھ لکھیں تو ناگزیر ہے اس کے گانوں کا تذکرہ نہ کیا جائے اور ہندوستانی فلم اس لئے بھی بدنام ہیں کہ ان میں بے موقع اور بے محل گانے ہوتے ہیں۔ اگر اس حیثیت سے پکار کو دیکھا جائے تو کہنا ہوگا کہ اس میں گانوں کی نہ تو کثرت ہے اور نہ کوئی بے محل گانا ہے،

(۶) ایک آخری شئے فلم کا سین اور سینری یعنی مناظر ہیں، پکار میں جو سین بیشتر ہیں خواہ وہ شاہی قصر اور محل کا ہو خواہ باغ اور چمن کا، وہ ایسے

کے بنگلوں کا ہو یا غریبوں کے مکانوں کا۔ خواہ جنگل بیابان کا خواہ شہر اور آبادی ہر منظر قابل تعریف ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے مناظر مغلیہ دور سے متعلق نہیں ہیں۔

بہر حال یہ اہم امور ہیں جو کسی فلم کے متعلق قابل غور ہوتے ہیں اور اس کے لحاظ سے فلم کی کامیابی اور عمدگی پر اظہار خیال کیا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد مجھے چند اور امور بیان کرنے ہیں جو نظر انداز نہیں کیے جاسکتے

"(الف) پکار میں جہاں جذبات اور خیالات کا اظہار ہوا ہے وہ قابل تعریف ہے مثلاً منگل سنگھ کی ماں کا بحیثیت ماں اور بحیثیت "بی بی" جو جذبات چہرہ سے ظاہر کیے گئے اور جس طرح گفتگو کی گئی ہے یا پھر جہانگیر کا یہ معلوم کر کے کہ اس کی محبوب اور جان سے پیاری ملکہ قاتل ہے تمام رات سوچ میں بسر کرنا اور جو خیالات ابتدائی دور کے پیش ہوتے ہیں، یا پھر نور جہاں کی گفتگو کے وقت یا منگل سنگھ کے باپ کی جہانگیر سے خانگی ملاقات میں درخواست کرتے وقت اس طرح بیسیوں امور بتائے جاسکتے ہیں جن سے کھیل میں جان پڑ گئی ہے۔

"ب" پکار میں بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو ایسی عمدگی سے پیش کیا گیا ہے کہ اس سے اہم نتائج پیدا کیے جاسکتے ہیں، مثلاً یہ مشہور ہے جس وقت جہانگیر دربار میں رونق بخش ہوتا تھا تو ملکہ نور جہاں پردہ کے اندر سے جہانگیر کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتی تھی اور بعض مرتبہ وہ آہستہ آہستہ مارتی تھی۔ پکار میں یہ منظر بھی پیش کیا گیا ہے اور خصوصاً اس وقت بتایا گیا ہے جبکہ جہانگیر

کا تحصہ منگل سنگھ کے فیصلہ کے وقت زیادہ ہو رہا تھا یہاں بتانا یہ تھا کہ نورجہاں اس امر کا اشارہ کر رہی تھی کہ فیصلہ کے وقت منصف اور جج کو برافروختہ نہ ہوتا چاہیئے کہ کہیں غصہ میں ناانصافی نہ ہو جائے ۔

ج ۔ پکار کے بعض مناظر جس طرح دلچسپ یا پر اثر ہو گئے ہیں وہ بھی پکار کی ایک نمایاں خصوصیت ہے مثلاً شطرنج کا کھیل ملکہ نورجہاں اور جہانگیر کا مکالمہ انصاف یا پھر نورجہاں کا قیدی کی حیثیت سے روٹی اور سالن کا نوالہ اٹھانا منگل سنگھ کی گرفتاری کے وقت حیدر خاں کا سلوک وغیرہ

د ۔ اکثر فلموں میں لڑائی اور مقابلہ کے مناظر پیش کئے جاتے ہیں مگر یہ ایسے غیر موزوں ناکارہ ہوتے ہیں کہ ان پر اصلیت کے بجائے بھدا پن غالب آجاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے جنگی سپاہی یا مرد میدان کا مقابلہ نہیں بلکہ لکڑی کی تپلی یا جاہل غیر مہذب کا مقابلہ ہے جن کو سپاہی کا لباس دیدیا گیا ہے ۔ لیکن پکار میں جو مقابلہ منگل سنگھ کا ہوا ہے اس سے اس امر کا پورا ثبوت ملتا ہے کہ دو بہادر سپاہی مقابلہ کر رہے ہیں اور اپنے فن کے خوب ماہر ہیں ۔

المختصر پکار میں مختلف خوبیاں ہیں جس کے باعث دنیائے فلم میں اس کو خاص درجہ دیا جا سکتا ہے ۔

اس موقع پر ایک دو فروگذاشت بھی قابل تذکرہ ہیں ۔

(۱) دھوبن کی زبان شہری زبان سے علیحدہ ہے اور ہونی بھی چاہیئے

لیکن جب وہ ملکہ سے گفتگو کرتی ہے تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ گاؤں والی ہے اس موقع پر جو صاف زبان استعمال ہوئی ہے وہ نامناسب تھی۔

(۲) دھوبیوں کے گانے کا ایک حصہ جو انگیا اور بغل سے متعلق ہے وہ مہذب نہیں کہا جا سکتا۔

(۳) قیدی قیدخانہ سے رہا کئے جا رہے ہیں وہ درست نہیں ہے شاہی جیل خانہ کا منظر پیش ہونا تھا اور قیدیوں کی رہائی جس طرح ہو رہی ہے وہ غیر موزوں ہے۔

(۴) تاریخی فلموں میں اداکاروں کے انتخاب میں بڑی دشواری ہوتی ہے پکار میں نورجہاں اور جہانگیر تو بیشک اصلی نورجہاں اور جہانگیر معلوم ہوتے ہیں لیکن منگل سنگھ کی معشوقہ کو راجپوت حسن کا نمونہ ہونا چاہئے تھا یہ انتخاب موزوں نہیں ہے۔

یہ چند باتیں ہیں جو "پکار" کے متعلق قابل گرفت قرار دی جا سکتی ہیں لیکن یہ ایسی باتیں نہیں ہیں جن سے پکار کی شہرت میں کمی آسکے۔

آخر پر مسٹر سہراب مودی کو مبارکباد دی جا سکتی ہے کہ انہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستانی فلم میں بھی زندگی اور شستگی پیدا کی جا سکتی ہے، عہد مغلیہ کا یہ رومانوی فلم دنیائے فلم میں ہمیشہ تاباں اور درخشاں رہے گا۔ فقط

(مووی لینڈ ۲۰ء ۱۹۴۰ء) ہاشمی

عالیجناب مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی کی دیگر تصانیف

(۱) دکن میں اُردو (طبع ثالث) ۸ر	(۸) حضرت امجد کی شاعری
(۲) مدراس میں اُردو عہ	(۹) مکتوبات امجد
(۳) یورپ میں دکنی مخطوطات للعہ	(۱۰) سلاطین دکن کی اُردو شاعری
(۴) مقالات ہاشمی حصہ اوّل عاہ	(۱۱) دفتر دیوانی کے اردو مخطوطات کی فہرست
(۵) خواتین عہد عثمانی عہ	(۱۲) رہبر سفر یورپ
(۶) خیابان نسواں ۱۲ر	(۱۳) النجم الثاقب
(۷) خواتین دکن کی اُردو خدمات عاہ	(۱۴) ذکر نبی صلعم

ملنے کا پتہ :-

شمس المطابع نظام شاہی روڈ کوچہ فصیح جنگ

حیدرآباد دکن

مطبوعہ شمس المطابع شین پریس نظام شاہی روڈ کوچہ فصیح جنگ

حیدرآباد دکن

تعداد ۳۵۰